روشن قندیلیں

تالیف
عبداللہ فارانی

ناشر
ایم آئی ایس پبلشرز
523، بلاک سی، آدم جی نگر، کراچی
فون 4931044 ,021-4944448

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
01	عرضِ ناشر	05	11	بڑے عالم	87
02	دو باتیں	07	12	روشن چھڑی	95
03	امت کے فقیہ	10	13	قسم کھانے والے	100
04	یہ کام ان کا نہیں	28	14	میرے لیے بھی پانی لاؤ	108
05	پروں کا سایہ	36	15	زندہ ہو تو جواب دو	113
06	تیسرے سپہ سالار	44	16	جان حاضر ہے	118
07	سودا کرنے والے	52	17	دو گواہیوں والے	122
08	جنت کے حق دار	66	18	اک سو کے برابر	126
09	سچی توبہ	73	19	سیستان کا مجاہد	130
10	نرالی توبہ	81	20	طائف کا مجاہد	138

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
21	جنگ یمامہ کے جری	146	25	شہ سوار	172
22	کایا پلٹ	152	26	جاں نثار	180
23	بنوتمیم کا سردار	160	27	روم کا پہلا پھل	189
24	روشنی کرنے والے	166			

عرضِ ناشر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

عبداللہ فارانی صاحب کی ایک نئی کتاب آپ کے سامنے ہے۔ یہ کتاب بھی ''روشن ستارے'' کی طرح مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات پر مشتمل ہے۔ اور یہ مضامین بھی دراصل ''بچوں کا اسلام'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

چونکہ اب یہ آپ لوگوں کو معلوم ہو ہی گیا ہے کہ عبداللہ فارانی دراصل بچوں کے مقبول مصنف اشتیاق احمد صاحب ہیں، اس لیے اس کتاب میں پیشِ لفظ کی جگہ اشتیاق احمد صاحب کی ''دو باتیں'' تحریر ہیں۔

دیگر احوال یہ ہیں کہ ''سیرت النبی ﷺ قدم بقدم'' کی پہلی جلد کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اور الحمدللہ اس کتاب کی مانگ میں اس قدر اضافہ ہو رہا ہے کہ اس کا تیسرا ایڈیشن بھی طبع ہونے کے لیے جا چکا ہے (اس تیسرے ایڈیشن میں تصویروں کے اعتبار سے تبدیلی و ترمیم کی گئی ہے، اور بعض انتہائی نادر تصویریں شامل کی گئی ہیں)۔ جبکہ

''سیرت النبی ﷺ قدم بقدم'' کی دوسری جلد بھی (دیدہ زیب و تاریخی نقشوں اور تصویروں کے ساتھ) پریس میں جانے کے لیے تقریباً تیار ہے۔

امید ہے کہ آپ کو خوشی ہوئی ہوگی۔

فقط والسلام

ڈائریکٹر ایم آئی ایس

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

''روشن ستارے'' آپ پڑھ چکے ہیں، اور جنھوں نے ابھی تک نہیں پڑھی... میری خواہش ہے کہ وہ بھی ضرور پڑھ لیں... اس لیے کہ یہ کتاب ابھی ابھی تیسری بار شائع ہوئی ہے... جب کہ ''سیرت النبی ﷺ قدم بقدم'' بھی دوبارہ شائع ہو چکی ہے، اور اطلاع ہے کہ تیسری دفعہ بھی اشاعت کے مرحلہ میں جا چکی ہے... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں لیجیے گا کہ تیسرے کے بعد چوتھے ایڈیشن کا نمبر نہیں آئے گا... جی ہاں اور کیا۔

''روشن قندیلیں'' اس سلسلے (روشن ستارے) کی دوسری کڑی ہے۔ آپ اس کتاب کو روشن ستارے کا دوسرا حصہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہ سلسلہ ''بچوں کا اسلام'' کے آغاز ہی سے شروع ہو گیا تھا... جب پہلا شمارہ ترتیب دینے لگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات ذہن میں ڈالی کہ اخبارات، رسائل اور کتب میں مشہور و معروف تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر تو بار بار پڑھتے ہیں، جب سے ہوش سنبھالا ہے، پڑھتے آ رہے ہیں... لیکن ظاہر ہے... صحابہ کرامؓ کی تعداد تو ایک لاکھ سے

زیادہ ہے...ان تمام صحابہ کرام میں سے بہت سے صحابہ کرام کا ذکر تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے تو کیوں نہ ان کے حالات بھی تلاش کیے جائیں...جن کا ذکر عام طور پر پڑھنے میں نہیں آتا...آخر انھوں نے بھی تو دین کے لیے قربانیاں دی ہیں...جانیں قربان کی ہیں...ان کے حالات بھی تو عجیب وغریب ہوں گے...سننے سے تعلق رکھتے ہوں گے...کیوں نہ ''بچوں کا اسلام'' میں ان کا ذکر بھی کیا جائے۔

اس طرح ان صحابہ کرام کے حالات میں سے ہر ہفتے ایک کہانی شروع کردی...الحمدللہ یہ سلسلہ اس قدر کامیاب اور مشہور ہوا، اتنا پسند کیا گیا کہ ادارے کے لوگ مجھ سے مزاح کے انداز میں کہنے لگے...عبداللہ فارانی کا یہ سلسلہ تو سب سے آگے نکل گیا کہ یہاں تک کہ آپ کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔

میں جواب میں صرف مسکرانے کی سوا اور کر بھی کیا سکتا تھا...یہ سلسلہ رواں دواں رہا...یہاں تک کہ ایم آئی ایس پبلشرز نے اس سلسلہ کے مضامین کو یکجا کتابی شکل میں شائع کرنے کا پروگرام بنالیا...کتاب شائع ہوئی اور ڈھڑا ڈھڑ فروخت ہوئی...ادھر میں ''سیرت النبی ﷺ قدم بقدم'' کا سلسلہ شروع کر چکا تھا...ان حضرات نے جب اسے کتابی شکل میں شائع کیا تو ساتھ ہی روشن ستارے کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا، یہ دونوں کتابیں تیزی سے فروخت ہونے لگیں...اس رفتار کو دیکھ کر ادارہ ایم آئی ایس نے اس سلسلہ کے باقی مضامین کو شائع کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ چنانچہ وہ مضامین ''روشن قندیلیں'' نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔

ایم آئی ایس

اور اب چونکہ آپ جان چکے ہیں کہ ''عبداللہ فارانی'' دراصل میرا قلمی نام ہے...تو میں یہ ''دو باتیں'' اشتیاق احمد کے نام سے لکھ رہا ہوں...اگرچہ کتاب عبداللہ فارانی کے ہی نام سے ہے۔

اللہ نے چاہا تو ''روشن قندیلیں'' بھی بہت پسند کی جائے گی...اور اس کے بھی ایڈیشن پر ایڈیشن شائع ہوں گے۔

فقط والسلام

اشتیاق احمد

امت کے فقیہ

چار نوجوان کعبہ میں جمع ہوگئے، چاروں قریش کے نوجوان تھے۔ انھوں نے طے کیا کہ ان میں سے ہر ایک رکنِ یمانی پکڑ کر اللہ سے دعا کرے، اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے کے لیے دعا مانگے، چنانچہ ان میں سے ایک نے دعا مانگی:

''اے اللہ! تو عظیم ہے اور تجھ سے عظیم چیزیں ہی مانگی جاسکتی ہیں، اس لیے میں تجھے تیرے عرش، تیرے حرم، تیرے نبی اور تیری ذات کی حرمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک کہ حجاز کی سرزمین پر میری حکومت نہ ہو جائے۔''

اس کے بعد دوسرے نوجوان نے رکنِ یمانی کو پکڑا اور یہ دعا مانگی:

''الٰہی! تو کائنات کی ہر شے کا مالک ہے، آخر میں ہر ایک چیز کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے، میں تجھ سے تیری قدرت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک کہ میں عراق کا والی نہ بن جاؤں۔''

اس کے بعد تیسرا نوجوان اٹھا۔ اس نے رکنِ یمانی کو پکڑ کر یہ دعا مانگی:

''اے ارض وسما کے مالک! میں تجھ سے ایسی چیز مانگتا ہوں جس کو تیرے اطاعت گزار بندوں نے، تیرے حکم سے مانگا ہے، میں تجھ سے تیری ذات کی کبریائی، تیری مخلوقات اور اہل حرم کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھانا جب تک کہ مشرق اور مغرب پر میری حکومت نہ قائم ہو جائے اور جو شخص میرے خلاف کھڑا ہو، اس کا سر نہ کچل دوں۔''

اس کے بعد چوتھے نوجوان کی باری آئی، اس نے رکنِ یمانی پکڑ کر دعا مانگی:

''اے اللہ! تو رحمٰن اور رحیم ہے... میں تجھ سے تیری رحمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے، مجھے آخرت میں رسوا نہ کرنا، مجھے اس عالم میں جنت عطا فرمانا۔''

ان چاروں میں پہلے نوجوان حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں، یہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ حضرت زبیر بن العوامؓ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، اللہ کے رسول کی طرف سے جن دس صحابہؓ کو جنت کی بشارت ملی، ان میں سے ایک ہیں۔

دوسرے نوجوان حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے، یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے چھوٹے بھائی... تیسرے نوجوان عبدالملک بن مروان تھے اور چوتھے نوجوان حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تھے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند نے اپنی دعا میں آخرت کی بھلائی مانگی...

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کی سگی بہن تھیں۔ آپ نبوت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، اس وقت آپ چھے سال کے تھے۔ والد کے اسلام قبول کرنے پر یہ خود بخود اسلام کے دامن میں آ گئے۔ ان کی پرورش خالص اسلامی ماحول میں ہوئی۔

نبوت کے 13 ویں سال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بال بچوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی مدینہ پہنچ گئے... اس وقت یہ گیارہ سال کے تھے۔

پھر غزوات کا آغاز ہوا۔ انھوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اجازت مانگی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ سال سے کم عمر لڑکوں کو جنگ کی اجازت نہ فرمائی۔ اس لیے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ غزوہ احد میں بھی چونکہ عمر چودہ سال تھی، اس لیے اس میں بھی حصہ نہ لے سکے۔

سب سے پہلے انھوں نے غزوہ خندق میں حصہ لیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ اس طرح یہ ان صحابہ میں شامل ہیں، جنھیں اللہ نے اپنی رضا کی خوش خبری سنائی۔

بیعت رضوان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خیبر، حنین، طائف اور تبوک میں حصہ لیا۔

فتح مکہ کے وقت آپ بیس سال کے ہو چکے تھے۔ اس موقع پر وہ ایک منہ زور

گھوڑے پر سوار تھے... ان کے جسم پر ایک چھوٹی سی چادر اور ہاتھ میں ایک بھاری نیزہ تھا۔ ایک جگہ گھوڑے سے اتر کر اس کے لیے گھاس کاٹنے لگے، ایسے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑی۔ آپ نے تعریف کے انداز میں فرمایا:

''یہ عبداللہ ہے، عبداللہ۔''

اس کے بعد یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور کے ساتھ سوار تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ چل رہے تھے۔ خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر چابی منگائی گئی۔ کعبہ کا دروازہ کھول کر تینوں ایک ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ ان کے بعد سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ جہاد میں شرکت نہ کر سکے... لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ نے ایران، شام اور مصر کی فتوحات میں پوری طرح حصہ لیا اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ والد امیر المومنین تھے، لیکن یہ ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکر اسلام میں شریک رہے، کبھی عہدے کی خواہش نہ کی۔

23 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ ابولولو یہودی نے خنجر کے وار کیے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا تھا، لیکن خاص طور پر یہ ہدایت فرمائی:

''عبداللہ کو خلیفہ نہ بنایا جائے البتہ خلیفہ کے انتخاب میں ان سے مشورہ لیا جاسکتا ہے۔''

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ چن لیے گئے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو قاضی کا عہدہ پیش کیا، لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔

27 ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افریقہ پر حملہ کرنے کے لیے اسلامی لشکر روانہ فرمایا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس میں شامل ہو گئے اور جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔

30 ہجری میں خراسان اور طبرستان کے معرکوں میں بھی حصہ لیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں جب ان کے خلاف سازش ہوئی، فساد برپا کرنے والوں نے جب فتنہ بپا کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گوشہ نشین ہو گئے، کیونکہ انھیں مسلمانوں کا ایک دوسرے سے لڑنا کسی صورت گوارا نہیں تھا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے اس شرط پر بیعت کی کہ وہ خانہ جنگی میں شریک نہیں ہوں گے، چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کی آپس کی جنگ میں حصہ نہ لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی... حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا، لیکن انھوں نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔

اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کی بیعت کر لی تا کہ امت کے اختلافات سے الگ رہیں۔

حجاج بن یوسف کے بارے میں آپ کو معلوم ہی ہے کہ کس قدر ظالم تھا... وہ ایک مرتبہ خطبہ دے رہا تھا، اپنے خطبے میں اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر الزام لگایا کہ انھوں نے قرآن میں تحریف کی ہے (یعنی ردّوبدل کی ہے،) مجمع میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے، یہ الفاظ سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور گرج کر بولے:

''تو جھوٹ بولتا ہے... نہ ابن زبیر میں اتنی طاقت ہے اور نہ تجھ میں کہ اللہ کے کلام کو بدل سکو۔''

حجاج کو حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ ڈانٹ سخت گراں گزری، لیکن اعلانیہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکا... البتہ ایک شامی کو ان پر مقرر کر دیا اور اسے حکم دیا کہ حج کے موقع پر وہ اپنے نیزے کی زہر آلود نوک ان کے پاؤں میں چبھو دے...

اس شامی نے ایسا ہی کیا۔ زہر آلود نیزہ ان کے پاؤں میں چبھو دیا۔ زہر ان کے بدن میں اثر کر گیا اور آپ اسی زہر کے اثر سے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اس سلسلے میں دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب حجاج بن یوسف حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کرنے مکہ معظّمہ آیا تو اس نے خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسوائے۔ اس کی اس حرکت پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بہت ناراض ہوئے اور اسے سخت برا بھلا کہا۔ اس پر وہ غضب ناک ہوا۔ اس کے اشارے پر ایک شامی نے آپ کو اپنے زہر آلود نیزے سے زخمی کر دیا۔ زہر ان کے جسم میں اثر کر گیا اور آپ بستر پر

لیٹ گئے، تب حجاج ان کی بیمار پرسی کے لیے آیا اور بولا:

''اگر مجھے پتا چل جاتا کہ یہ کس کی حرکت ہے تو میں اس کا سر اڑا دیتا۔''

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''یہ سب کچھ تمہارا ہی کیا دھرا ہے... نہ تم حرم میں ہتھیار لانے کی اجازت دیتے، نہ یہ واقعہ پیش آتا۔''

ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا۔ اس نے خطبہ بہت طویل کر دیا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''سورج تیرا انتظار نہیں کر سکتا۔''

ان کا یہ جملہ سن کر حجاج ان کا دشمن ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس وقت کے حکمران عبدالملک نے فرمان جاری کیا کہ حج کے تمام ارکان حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا میں ادا کیے جائیں۔ حجاج کو یہ حکم بہت ناگوار گزرا، لیکن حکم خلیفہ کا تھا۔ اس لیے مجبور تھا، اس نے اپنے دل کی بھڑاس اس طرح نکالی کہ ایک شامی کے ذریعے آپ کو زہر آلود نیزے سے زخمی کرا دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں وفات پائیں، لیکن اللہ نے ان کی موت مکہ مکرمہ میں لکھی تھی۔ وفات سے پہلے اپنے بیٹے حضرت سالم رحمہ اللہ کو وصیت فرمائی:

''میں یہاں وفات پا رہا ہوں، تم مجھے حدود حرم کے باہر دفن کرنا۔''

انھوں نے والد کی وصیت پر عمل کرنا چاہا، لیکن حجاج نے دخل اندازی کی اور ان کی نماز جنازہ پڑھا کر مہاجرین کے قبرستان میں دفن کرا دیا۔

علم اور فضل کے اعتبار سے آپ کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ دینی علوم کا سمندر تھے۔ آپ کو براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کا علم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ پھر آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی سے علم حاصل کیا۔ ان کے علم پر بڑے بڑے صحابہ رشک کرتے تھے۔ آپ کو قرآنِ کریم اور اس کی تفسیر سے بہت تعلق تھا۔ اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ قرآنِ کریم کی سورتوں میں غور و فکر کرتے گزارتے تھے۔ صرف ''سورۃ البقرۃ'' پر غور و فکر کرتے چودہ سال صرف کر دیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انھیں اکثر آپ ﷺ کی علمی مجلسوں میں شریک ہونے کی سعادت حاصل رہی۔ اس طرح قرآن کریم کو سمجھنے کی صلاحیت آپ کو ملی۔

آپ قریباً ایک ہزار چھ سو احادیث کے راوی ہیں۔ حدیث کے حافظوں میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، ان کی روایت کی گئی احادیث کو بہت زیادہ مستند مانا جاتا ہے۔

اسلامی شریعت کا دارومدار فقہ پر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فقہ میں بہت مہارت حاصل تھی، اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ تعلیم حاصل کرنے اور تعلیم دینے میں بسر کیا۔

علما نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک موٹی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ فقہ مالکی کا دارومدار حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ ہی کے فتاویٰ پر ہے۔ امام مالک

فرماتے ہیں، عبداللہ بن عمر آئمہ دین میں سے تھے۔ آپ فقیہ الامت کے نام سے مشہور تھے۔ پھر بھی فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو پوچھنے والے سے بے دھڑک کہہ دیتے تھے:

''مجھے معلوم نہیں۔''

آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تحاشا محبت تھی۔ آپ ﷺ کا وصال ہوا تو اس قدر غمزدہ ہوئے کہ پھر زندگی بھر نہ کوئی مکان بنایا، نہ باغ لگایا، جب بھی زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا، زاروقطار رونے لگتے۔ غزوات کے مقامات سے گزرتے، یعنی احد، بدر یا خیبر وغیرہ سے تو آنکھوں کے آگے سارا نقشہ آجاتا، کوئی آپ کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتا تو بے قابو ہو کر رونے لگتے۔ عشق کی یہ انتہا دیکھ کر بعض لوگ انھیں مجنوں خیال کرنے لگے تھے۔

آپؐ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جن درختوں کے نیچے کبھی آپؐ نے آرام فرمایا تھا، یہ ان درختوں کو پانی دیا کرتے تھے تاکہ وہ خشک نہ ہو جائیں، خود بھی ان کے سائے میں بیٹھتے۔ کسی سفر سے لوٹتے تو روضہ نبوی پر حاضر ہوتے اور سلام کہتے۔ مدینہ منورہ سے اس قدر محبت تھی کہ کسی صورت اس سے جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ ایک بار ایک غلام نے تنگ دستی کی وجہ سے مدینہ منورہ چھوڑنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں صبر کرے گا، قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا۔''

آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد سے بھی بہت زیادہ محبت تھی۔ لوگوں کو اکثر ان کے فضائل بتاتے تھے۔

حج کے مناسک کے آپؓ خاص طور پر ماہر تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں کا لحاظ رکھتے۔ یہاں تک کہ نبی کریمؐ نے جہاں جہاں طہارت کی تھی، وہاں یہ بھی طہارت کرتے، حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے جو حضورؐ نے اختیار کیا تھا۔

آپ میں آخرت کا خوف بھی بہت زیادہ تھا۔ ایک دن یہ آیت سنی:

''اے رسول! آخرت کے اس دن کیا حاصل ہوگا، جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔''

آیت سنتے ہی بے اختیار رونے لگے۔ یہاں تک کہ ڈاڑھی اور گریبان مبارک آنسوؤں سے بھیگ گئے۔

آپ 15 سال کی عمر سے لے کر بڑھاپے تک جہاد میں حصہ لیتے رہے، راتوں کو جاگنے والے تھے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔

حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جسے دنیا کی دل فریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا، لیکن عبداللہ بن عمر بس ایک ایسے ہیں، جنھیں دینا اپنی طرف قطعاً مائل نہ کرسکی... اور جو شخص کسی ایسے صحابی کو دیکھنا چاہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کوئی تبدیلی نہیں آئی، تو وہ ابن عمر کو دیکھ لے۔''

ایک بار ان کی خدمت میں کوئی شخص ہاضمے کی کوئی دوا لایا۔ آپ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ اس نے بتایا: ''کھانا جلد ہضم کرنے کی دوا ہے۔''

آپؒ نے فرمایا:

''مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں نے تو مہینوں سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔''

ایک مرتبہ آپ نے کسی سے پانی مانگا... اس نے شیشے کے پیالے میں پانی پیش کیا۔ آپ نے پینے سے انکار کر دیا۔ پھر لکڑی کے پیالے میں پانی پیش کیا۔ آپ نے پی لیا۔ وضو کے لیے طشت میں پانی لایا گیا، آپ نے اس سے وضو کرنے سے انکار کر دیا... اور لوٹے سے وضو کیا۔

میمون بن مہران رحمہ اللہ ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کے کل اثاثے کی قیمت کا اندازہ لگایا، وہ سو درہم سے زیادہ سامان نہ تھا۔ اس میں بستر بھی شامل تھا۔

دنیا کئی بار آپ کے پاس پورے ساز و سامان کے ساتھ آئی، لیکن آپ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ کئی بار انھیں ایسے موقع ملے کہ چاہتے تو بڑے سے بڑا عہدہ قبول کر سکتے تھے، لیکن آپ نے آخرت کو ترجیح دی۔

اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اونٹنی کو بٹھانے میں بھی دوسروں سے مدد نہ لیتے۔ لباس بہت سادہ ہوتا۔ البتہ کبھی کبھار عمدہ لباس بھی پہن لیتے تھے، وہ بھی اس لیے کہ ایک دو مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔

آپ کا دستر خوان بہت وسیع ہوتا تھا۔ بعض اوقات ایک برتن میں کھانا رکھ دیا جاتا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس کے گرد بیٹھ کر کھاتے۔ انھیں ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں کسی قسم کا دکھاوا ہوتا۔ یہاں تک کہ خوشبو بھی صرف جمعہ کے دن لگاتے تھے۔

دنیاوی لحاظ سے آپ خوش حال تھے لیکن اپنے مال کو اللہ کے راستے میں لٹاتے رہتے تھے۔ بہت سخی تھے۔ کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے۔ بیسیوں غریب مسکین ان کے ہاں کھانا کھاتے تھے۔ جب آپ کھانے کے لیے بیٹھتے تو اپنے ساتھ کسی مسکین کو ضرور بٹھاتے، بعض اوقات اپنے حصے کا کھانا غریبوں کو دے دیتے اور خود بھوکے رہتے۔ ایک بار مچھلی کی خواہش ہوئی۔ جب مچھلی تیار کر کے سامنے رکھی گئی تو ایک سائل نے دروازے پر دستک دی۔ آپ نے مچھلی اٹھا کر اسے دے دی۔

ایک مرتبہ بیمار ہوئے، انگور کھانے کی خواہش محسوس کی، ان کے لیے انگور تلاش کیے گئے۔ بہت تلاش کے بعد اور دور سے انگور ملے۔ ابھی انگور ان کے سامنے رکھے ہی گئے تھے کہ ایک سائل آ گیا، انھوں نے گھر والوں سے کہا:

''انگور اسے دے دو۔''

گھر والوں نے کہا:

''آپ انگور کھالیں، ہم اسے کچھ اور دے دیتے ہیں۔''

لیکن وہ نہ مانے اور کہا کہ انگور سائل کو دے دو۔ آخر انھیں سائل کو وہ انگور ہی دینا پڑے۔ گھر کا کوئی فرد فوراً سائل کے پیچھے گیا اور وہ انگور اس سے خرید کر لے آیا، تب وہ

آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے اور آپ نے کھائے۔

طبقات ابن سعد میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد نافع سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ہزار درہم یا دینار آئے، وہ دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنے لگے۔ یہاں تک کہ سب کے سب ختم کر دیے۔ تقسیم کر دینے کے بعد کچھ اور لوگ لینے کے لیے آئے تو دوسرے لوگوں سے قرض لے کر دیے۔

خود کہیں جاتے تو روزہ رکھتے، کوئی مہمان آ جاتا تو مہمان کی موجودگی میں روزہ نہ رکھتے اور فرماتے:

''مہمان کی موجودگی میں نفلی روزہ رکھنا مناسب نہیں، فیاضی کے خلاف ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دو دو تین تین ہزار کی رقمیں بھی ایک وقت میں اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے۔ اگر کبھی کوئی غلام یا لونڈی بہت پسند آ جاتے یا کسی کو عبادت گزار پاتے تو اسے آزاد کر دیتے تھے۔ اس طرح انھوں نے اپنی زندگی میں ایک ہزار سے زیادہ غلام آزاد کیے۔

ایک بار حج کے سفر کے لیے آپ نے ایک اونٹنی خریدی۔ اس پر سوار ہوئے۔ اس کی چال بہت اچھی تھی، آپ کو پسند آئی۔ فوراً اس سے اتر آئے اور حکم دیا کہ سامان اس پر سے اتار لو اور اسے قربانی والی اونٹنیوں میں شامل کر دو یعنی پسندیدہ چیز اللہ کے راستے میں قربان کر دی۔

ایک بار مدینہ کے ایک دیہات میں گئے، چند دوست ساتھ تھے۔ کھانے کے لیے دستر

خوان بچھایا گیا تو ایک چرواہا ادھر آ نکلا۔ اس نے سلام کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے کھانے کی دعوت دی۔ اس نے بتایا، میں روزے سے ہوں۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''اتنی گرمی میں روزے رکھتے ہو اور بکریاں بھی چراتے ہو، کیا یہ بکریاں ہمارے ہاتھ فروخت کرنا پسند کرو گے، ہم تمھیں نقد رقم دیں گے اور افطار کے لیے گوشت بھی دیں گے؟''

چرواہے نے کہا:

''یہ بکریاں میری نہیں، میرے آقا کی ہیں۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا امتحان لینے کے لیے کہا:

''تو تمہارا آقا کیا کر لے گا؟''

چرواہے نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''این اللہ؟ این اللہ؟''

یعنی اللہ کہاں ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ یہ کہنے سے اس کا مطلب تھا، کیا اللہ دیکھ نہیں رہا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا یہ قول بہت پسند آیا۔ دیر تک کہتے رہے، این اللہ؟ این اللہ؟ پھر اس کے آقا سے ملے، آقا سے اس کی تمام بکریاں خریدیں، اس کی بھی قیمت ادا کر کے اسے آزاد کر دیا۔ بکریاں اسے دے دیں۔

ایک روز کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بدو ملا۔ آپ نے اسے سلام کیا، سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اسے دے دیا۔ ابن دینارؒ آپ کے ساتھ تھے، انھوں نے کہا:

''اللہ آپ پر رحم فرمائے، یہ بدو تو معمولی چیز سے بھی خوش ہو جاتے ہیں، اسے گدھا اور عمامہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''اس کے والد میرے والد کے دوست تھے، میں نے اللہ کے رسول سے سنا ہے، سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک ہے۔''

اپنا کھانا اکثر مسکینوں کو کھلا دیتے تھے، اس لیے بہت کمزور ہو گئے تھے۔ کوئی غریب مسکین راستے میں مل جاتا تو اسے اپنے ساتھ گھر لے آتے اور کھانا کھلا کر جانے دیتے۔ کسی کو کوئی چیز دے دیتے تو پھر اس سے واپس لینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ انھوں نے حضرت عطاء رحمہ اللہ سے ایک بار دو ہزار درہم قرض لیے، قرض چکایا تو بھولے سے دو ہزار زیادہ ادا کر دیے، انھوں نے دو ہزار درہم واپس کرنا چاہے تو فرمایا:

''اب یہ تم ہی رکھو، یہ تمہارے ہیں۔''

اتنے بلند مرتبے کے باوجود، ان میں عاجزی بہت تھی، سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ بازاروں میں اس لیے جاتے تھے کہ لوگوں کو سلام کر سکیں۔ اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے۔ اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ اپنی تعریف سننا انھیں پسند نہ تھا۔ ایک روز کسی نے آپ کے سامنے تعریف کی۔ آپ نے اس کے منہ میں مٹی ڈال دی اور فرمایا:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ

میں مٹی ڈالا کرو۔‘‘

کسی سے وضو کرنے میں مدد نہیں لیتے تھے۔ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے۔ کسی نے انھیں بہت قیمتی کپڑے بطور ہدیہ پیش کیے، آپ نے فرمایا، ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں تھا، لیکن ہم غرور کے خوف سے ان کو نہیں پہن سکتے۔ غلاموں سے ان کا سلوک بہت اچھا تھا۔ ان پر بہت مہربانی فرماتے۔ دسترخوان پر انھیں ساتھ بٹھاتے، انھیں کھانا کھلاتے اور اپنے اہل وعیال کی طرح ان کے کھانے کا خیال رکھتے۔ ایک مرتبہ ان لوگوں کو کھانا کھلانے میں دیر ہوگئی، گھر والوں پر ناراض ہوئے اور فرمایا، انھیں فوراً کھانا دو۔ پھر فرمایا:

’’انسان کے لیے یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھے۔‘‘ کسی دوسرے شخص کا غلام کسی کام سے ان کے پاس آ جاتا تو اسے بھی دسترخوان پر بٹھا لیتے۔ اپنے غلاموں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ جب تم مجھے خط لکھو تو اس میں میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھو، حالانکہ اس وقت کے رواج کے مطابق آقا کا نام پہلے لکھا جاتا تھا۔ غلاموں کو کبھی جھڑکتے نہیں تھے، کبھی اتفاق سے کسی غلام پر سختی کر بیٹھتے تو کفارے کے طور پر اسے آزاد کر دیتے۔

ان کی ان عادات کی وجہ سے لوگ بھی ان سے ٹوٹ کر محبت کرنے لگے تھے۔ گھر سے باہر نکلتے تو قدم قدم پر لوگ انھیں سلام کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہدیے قبول فرما لیتے تھے، اسی نسبت سے آپ

بھی ہدیے لے لیتے تھے لیکن کسی کے سامنے کبھی ہاتھ نہیں پھیلایا۔ فرمایا کرتے تھے:

''میں کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، اللہ تعالیٰ جو دیتے ہیں، اس کو لوٹاتا نہیں۔''

ایک دن ان کی پھوپھی نے انھیں دو سو دینار بھیجے۔ انھوں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیے اور انھیں دعا دی۔ ایک صاحب نے انھیں لکھا، آپ کو جو ضرورت ہو، مجھے لکھ بھیجا کریں، اس کے جواب میں فرمایا:

''آپ اپنے قریبی رشتے داروں سے شروع کریں۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

مطلب یہ کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

مال و دولت ان کے نزدیک بالکل بے حقیقت چیز تھی۔ اگر معلوم ہو جاتا کہ کسی نے کوئی ہدیہ کسی ذاتی غرض سے بھیجا ہے تو فوراً واپس کر دیتے۔ صدقے کی چیز بھی وصول نہیں کرتے تھے۔ آپ کے اقوال بہت قیمتی ہیں۔ ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

- علم تلاش کرو، چاہے وہ دشمن کے پاس ہو۔
- دوسروں کے عیب تلاش کرنے سے پہلے اپنے عیبوں پر نظر ڈالو۔
- جس طرح میٹھا شربت پی جاتے ہو، اسی طرح غصہ پی جایا کرو۔
- اخلاق خراب ہیں تو ایمان بھی خراب ہوگا۔
- عبادت میں لذت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تنہائی میں ادا کرو۔
- میں پہلے خود حدیث پر عمل کرتا ہوں، پھر دوسروں کو سناتا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے بارے میں فرمایا کرتی تھیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی کیفیت کا عبداللہ بن عمر سے زیادہ کوئی پابند نہیں۔''

حضرت سعید بن المسیّب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''میں کسی کے جنتی ہونے کی گواہی دے سکتا ہوں تو وہ ابن عمر ہیں۔''

میمون بن مہران رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''میں نے ابن عمر سے بڑھ کر کوئی پرہیزگار نہیں دیکھا۔''

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہار حمتیں ہوں۔آمین۔

☆☆☆

یہ کام ان کا نہیں

کچھ لوگ جمع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا:

''اے علی! ہم آپ کے پاس جمع ہو کر آئے ہیں، مشرکین میں سے جو شاعر لوگ ہیں، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برائیاں اشعار کی صورت میں بیان کرتے ہیں اور اشعار کی صورت میں انھیں جواب دینے والا کوئی نہیں، ہماری آپ سے درخواست ہے، برائی سے لبریز ان اشعار کا جواب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سے بھرے اشعار سے دینے کی ذمے داری قبول کریں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''میں یہ کام کرنے کے لیے تیار ہوں، شرط یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیں۔''

ان کا جواب سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے بھی یہ بات کہی، آپ نے سن کر فرمایا:

''اس کام کے لیے علی مناسب نہیں۔''

''تب پھر کون موزوں ہے اے اللہ کے رسول؟'' وہ بولے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''جن لوگوں نے تلوار سے میری مدد کی ہے، کیا وہ اپنی زبان سے مدد نہیں کر سکتے؟''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اس کام کے لیے میں حاضر ہوں، آپ کے دشمنوں کے جواب میں میں جو اشعار کہوں گا، وہ میرا سب سے زیادہ پسندیدہ کلام ہوگا۔''

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''تم ان لوگوں کی ہجو (برائی) کیسے کرو گے جن کے خاندان سے میں خود ہوں؟''

انھوں نے جواب میں عرض کیا:

''اے اللہ کے سچے رسول! میں آپ کے نسب کو ان میں سے اس طرح نکالوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے میں سے بال کھینچ لیا جاتا ہے۔''

آپؐ نے انھیں تعریف کے انداز میں دیکھا اور مشرکوں کو جواب دینے کی ذمے داری سونپ دی۔ پھر اہل زبان لوگوں نے دیکھا، انھوں نے اپنی شاعری سے مشرکوں کے چھکے چھڑا دیے، اشعار میں ان کی برائیوں کا اپنی شاعری کے ذریعے ڈٹ کر جواب دیتے رہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے اشعار میں اس طرح تعریف کرنے لگے کہ مشرک ناکوں چنے چبانے پر مجبور ہو گئے۔ یہ خوش نصیب شاعر حضرت حسان بن ثابت

رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سعادت ان کے حصے میں آئی۔

سید نا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ انھیں شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ملا۔ والدہ کا نام فریحہ تھا۔ یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی کی بیٹی تھیں۔ انھیں بھی ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔

حضرت حسان کے خاندان میں شعر وشاعری کا بہت شوق تھا۔ ان کے باپ دادا اور پردادا بھی شاعر تھے۔ خود انھوں نے شاعری میں وہ نمایاں کمال حاصل کیا کہ اپنے دور کے بہترین شاعر مانے گئے۔

آپؓ ہجرت نبوی سے قریباً پینسٹھ سال پہلے پیدا ہوئے۔ یعنی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا، اس وقت آپ 52 سال کے لگ بھگ تھے، اپنی زندگی کا جتنا حصہ اسلام سے پہلے گزارا، قریب قریب اتنا ہی حصہ اسلام کی حالت میں بسر کیا۔ گویا ان کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ آپ ہجرت نبوی کے موقع پر ایمان لائے۔ اس وقت تک ان کی شاعری کی دھوم ہو چکی تھی۔ بچہ بچہ انھیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانتا تھا۔ اسلام سے پہلے شاعری ہی ان کا شوق تھا۔ اوس اور خزرج کی آپس کی لڑائیوں میں وہ اپنے قبیلہ کی تعریف میں اشعار کہتے تھے اور اس کو انتقامی کارروائیوں پر ابھارتے تھے۔ لڑائیوں سے فرصت ملتی تو بادشاہوں کے درباروں میں چلے جاتے۔ ان کی شان میں قصیدے کہہ کر انعام حاصل کرتے۔

اسلام لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مشرکین کے اشعار کا جواب

دینے کی ذمے داری سونپی۔ ان کے لیے مسجد نبوی میں منبر بچھایا جاتا تھا جس پر بیٹھ کر وہ کفار کے اشعار کا جواب دیا کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار پڑھتے تھے۔ یہ اشعار کفار کے سینوں پر سانپ کی طرح لوٹتے تھے۔ ایک بار کسی کافر نے آپؐ کی شان میں اشعار کی صورت میں برائی کی۔ آپؐ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے حسان! میرے طرف سے جواب دیں۔''

ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

''الٰہی! حسان کی مدد فرما۔''

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

''اے حسان! مشرکین کے خلاف اشعار پڑھیں، جبرئیل آپ کے ساتھ ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے موقعوں پر حضرت حسانؓ کے اشعار کی تعریف بیان فرمائی۔ انھیں دعائیں دیں اور مشرکین کی یاوہ گوئی کا جواب دینے کی ہدایت فرمائی۔۔۔

حضرت حسان نے قریب قریب تمام غزوات میں اور تمام اہم موقعوں پر اہل حق کی حمایت میں اشعار پڑھے۔ مشرکین کے خلاف ایسا کلام پڑھا کہ ان کے سینے چھلنی ہو گئے۔

ایک مرتبہ کسی مشرک کی ہجو (اشعار میں برائی) کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے یہ

شعر کہے:

(ترجمہ) تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تو میں نے آپ کی طرف سے اس کا جواب دیا اور اس بات کی جزا اللہ کے ہاں ہے اور ہم میں اللہ کا امین جبرئیل ہے جس کا کوئی ہم سر نہیں، ہاں ہاں، اللہ کے ہاں تیری جزا جنت ہے۔

غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں انھوں نے بہت پر جوش اشعار پڑھے۔ اسی طرح کعب بن اشرف یہودی کے قتل پر اپنے اشعار میں بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ 9ہجری میں بنوتمیم کا وفد مدینہ منورہ آیا۔ مشرکین کا مسلمانوں سے زبانی مقابلہ ہوا۔ اس موقع پر مشرکین کی طرف سے ان کے شاعر زبرقان بن بدر نے اپنی قوم کی تعریف میں بہت سے اشعار پڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو حکم دیا کہ اٹھو اور زبرقان کو جواب دو، انھوں نے اٹھ کر اسی ردیف اور قافیے میں اسی وقت ایسے شعر کہے کہ زبرقان کے ساتھی تک بول اٹھے:

''اے محمد! تمہارا شاعر ہمارے شاعر سے اچھا ہے۔''

6ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر کے والی مقوقس کی طرف اسلام کا پیغام بھیجا، اس نے اسلام تو قبول نہ کیا، البتہ تحفے تحائف ضرور بھیجے۔ ان تحائف میں دو قبطی بہنیں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور سیرین رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ نبی اکرم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے خود نکاح فرمایا جب کہ سیرین رضی اللہ عنہا کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے ان سے شادی کر لی، اس طرح

حضرت حسانؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف بن گئے۔ام المومنین حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جب کہ سیرین رضی اللہ عنہا سے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ یہ دونوں خالہ زاد بھائی ہوئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی کافی مدت تک زندہ رہے۔ان دنوں یہ مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ کر لوگوں کو اپنے اشعار سناتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی طرح ایک دن شعر پڑھ رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔انھوں نے فرمایا:

''مسجد میں بیٹھ کر اشعار نہ پڑھیں۔''

حضرت حسان جلال میں آ گئے،فرمایا:

''میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد میں اشعار پڑھتا رہا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے۔ آپ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 54 ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر 120 سال کے لگ بھگ تھی۔کافروں کے مقابلے میں آپ نے جو اشعار کہے،سیرت اور تاریخ کی کتب میں موجود ہیں۔آپ اشعار کے ذریعے انھیں منہ توڑ جواب دیتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آپؓ کے کہے ہوئے چند

اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

''اے اللہ کے رسول! آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے ہرگز نہیں دیکھا۔
اور نہ آپ سے زیادہ خوبرو کسی عورت نے کوئی بچہ جنا۔''

''آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے، گویا آپ جیسا پسند فرماتے تھے، ویسے ہی پیدا ہوئے۔''

(یعنی معلوم ہوتا ہے، خالق نے آپ کو آپ کی مرضی اور منشاء کے عین مطابق پیدا کیا ہے۔)

''وہ اللہ کے ایک نبی ہیں جو مایوسی اور انبیاء کے گزرنے کے بعد ہمارے پاس تشریف لائے جب دنیا میں نبیوں کی پوجا ہونے لگی تھی۔''

''وہ ہمارے لیے روشن چراغ بن گئے اور ہادی۔''
وہ اس طرح چمکتے ہوئے، نمودار ہوئے جیسا کہ تیز کی ہوئی تلوار چمکتی ہے۔''
''انھوں نے ہمیں آتش جہنم سے ڈرایا اور جنت کی خوش خبری سنائی۔''
''انھوں نے ہمیں اسلام کی تعلیم دی جس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔''
ہجرت کے موقع پر انھوں نے یہ اشعار کہے:
''بے شک وہ قوم نامراد ہوئی جن کے پاس سے ان کا نبی چلا گیا۔''
''اور ان لوگوں نے عزت پائی جن کے پاس وہ تشریف لے گئے اور وہ صبح وشام سفر طے کر کے پہنچے۔''

''جس قوم سے اس کا پیغمبر چلا گیا، اس کی عقل بھی جاتی رہی۔''

''اور جن لوگوں میں تشریف لا کر پیغمبر نے قیام فرمایا، انھیں اپنے نور سے روشن کر دیا۔''

''اہل مدینہ کے رب نے انھیں گمراہی کے بعد ہدایت نصیب فرمائی اور انھیں سیدھا راستہ دکھایا، جو حق کی پیروی کرتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے۔''

ان چند اشعار سے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں اشعار ان کے دیوان میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

پروں کا سایہ

لڑائی کے بعد عزیز رشتے دار مدینہ منورہ سے احد کے میدان میں پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ میدان کا چکر لگایا، شہدا کی خون آلود اور اعضا کٹی ہوئی نعشیں دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ایک شہید کی بہن بھائی کی ٹکڑوں میں تقسیم لاش دیکھ کر غم سے نڈھال ہو گئیں، زار و قطار رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تسلی دی اور فرمایا:

''تم روؤ یا نہ روؤ، اللہ نے تمہارے بھائی کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ فرشتے اس پر اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے ہیں۔''

احد کے یہ شہید جن کی مبارک لاش پر فرشتوں نے سایہ کیا، سیدنا ابو جابر عبداللہ بن عمرو بن حرام اسلمی انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کے والد دولت مند آدمی تھے۔ ان کی وفات کے بعد ساری جائیداد حضرت عبداللہؓ بن عمرو کو ملی، لیکن یہ بہت زیادہ سخی تھے، اس لیے جائیداد ہونے کے باوجود آپ پر قرض چڑھا رہتا تھا۔

جب حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا، اس وقت آپؓ کی عمر قریباً 27 سال تھی۔ نبوت کے تیرھویں سال مدینۂ منورہ سے ایک قافلہ حج کے لیے مکۂ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس قافلے میں 74 مسلمان بھی تھے۔ یہ مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے تھے۔ اسی قافلے میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بھی دوسرے مشرکوں کے ساتھ مکہ کا سفر کررہے تھے، راستے میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور یہ اپنے نوجوان بیٹے جابر کے ساتھ مسلمان ہوگئے، گویا آپ نے چالیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ ان سب حضرات نے عقبہ (ایک گھاٹی) کے نشیب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور یہی وہ موقع ہے، جب ان سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینۂ منورہ تشریف لانے کی دعوت دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح مدد کرنے اور حفاظت کرنے کا وعدہ کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعوت دینے میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بھی پیش پیش تھے۔ آپؐ نے ان کی بات منظور فرمائی۔ اس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ ایک نام بیعتِ عقبہ کبیرہ بھی ہے۔ اس وقت آپؐ نے ان حضرات سے فرمایا:

''میرا خون تمہارا خون ہے اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے، میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو، تم جس سے لڑو گے میں بھی اس سے لڑوں گا اور جس سے تمہاری صلح ہوگی اس سے میری صلح ہوگی۔''

ان الفاظ کے فوراً بعد سب لوگ بیعت کے لیے لپک پڑے۔ ان سب نے ایک

آواز ہو کر کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہم اپنے عہد و پیمان کو پورا کریں گے تو ہمارے لیے کیا ہے؟''

آپؐ نے جواب میں فرمایا:

''جنت۔''

اب سب لوگ جوش و خروش سے بیعت کرنے لگے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بھی اس بیعت میں شریک تھے۔ اس بیعت کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت ہے، بیعت کے بعد آپؐ نے ان حضرات سے فرمایا:

''موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بارہ نقیب منتخب کیے تھے۔ تم بھی دینی باتوں کی حفاظت کے لیے اپنے بارہ نقیب چن لو۔''

چنانچہ مدینہ منورہ کے ان بہترین افراد نے بارہ آدمی چن لیے۔ ان میں نو قبیلہ خزرج اور تین قبیلہ اوس کے تھے۔ خزرج کے نو میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں ان کے خاندان بنو سلمہ کا نقیب مقرر کیا گیا۔ بنو سلمہ قبیلہ خزرج ہی کی ایک شاخ تھی۔

مدینہ واپس پہنچ کر ان حضرات نے زور و شور سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی، خاص طور پر ان میں سے دو حضرات کا ذکر آپؐ نے ان الفاظ میں فرمایا:

''اللہ انصار کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے، خاص طور پر عبداللہ بن عمرو اور سعد بن عبادہ کو۔''

اس بیعت کے بعد مسلمانوں کی مدینہ کی طرف ہجرت شروع ہوئی، انصار نے اپنی جانیں، اپنے مال غرض سب کچھ مہاجرین کے لیے پیش کر دیا۔

2ہجری میں میدان بدر میں پہلا معرکہ ہوا۔ عبداللہ بن عمروان 313 مجاہدین میں شامل تھے، گویا آپ کو بدری صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اس لڑائی میں کفار مکہ کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

کفار انتقام کی آگ میں جلنے لگے اور اگلے سال مدینہ منورہ پر چڑھ آئے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ احد پہاڑ کے دامن میں پہنچے۔ آپ کے صحابہ کی تعداد سات سو تھی جب کہ کفار تین ہزار کی تعداد میں تھے اور ہر طرح سے ساز و سامان سے لیس تھے۔ ان غازیان اسلام میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اس غزوہ سے ایک رات پہلے انھوں نے اپنے نوجوان فرزند حضرت جابر کو بلا کر فرمایا:

''بیٹے! میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس لڑائی میں مجھے شہادت نصیب ہوگی، مجھے اپنی جان، مال اور اولاد، ہر چیز سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب ہیں، آپؐ کے بعد تم سب سے بڑھ کر محبوب ہو، میں تمھیں وصیت کرتا ہوں، تم گھر پر رہ کر اپنی بہنوں کی اچھی طرح خبر گیری کرنا اور مجھ پر جو قرض ہو، ادا کر دینا۔

یہ وصیت حضرت عبداللہؓ نے اس لیے کی کہ ان کی نو بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے چھ بہت چھوٹی تھیں اور ان نو بہنوں کے بھائی صرف ایک تھے یعنی جابر رضی اللہ عنہ۔ اگر وہ

بھی لڑائی میں شریک ہوجاتے تو گھر میں صرف بچیاں رہ جاتیں۔

میدان کارزار گرم ہوا۔ حضرت عبداللہ ہر چیز سے بے نیاز ہوکر شیر کی طرح مشرکوں پر جھپٹے۔ دور تک ان کی صفوں میں گھس گئے اور بہت سے کافروں کو جہنم رسید کر ڈالا۔ ایسے میں ایک مشرک سفیان بن عبدالشمس نے ان پر تاک کر حملہ کیا، حضرت عبداللہؓ شہید ہوکر گر پڑے۔ اس طرح ان کی شہادت کی تمنا پوری ہوگئی۔ سنگ دل کافروں نے ان کا مثلہ کیا، یعنی ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے۔ لڑائی ختم ہوئی تو مسلمانوں نے نعش پر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آ کر چہرے سے کپڑا ہٹایا تو حالت دیکھ کر رونے لگے۔ ان کی بہن حضرت ہند بنت عمرو رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں، ضبط نہ کرسکیں۔ دونوں مل کر رو رہے تھے، ایسے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ الفاظ فرمائے:

''تم روؤ یا نہ روؤ! فرشتے اپنے پروں سے عبداللہ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔''

حضرت ہند بنت عمرو رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت عمرو بن الجموح اور بیٹے حضرت خلاد بن عمرو رضی اللہ عنہما بھی شہید ہوئے تھے۔ انھوں نے تینوں لاشوں کو اونٹ پر لادا اور کفن دفن کے لیے مدینہ لے چلیں۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو کے بیٹے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ راستے میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میدان جنگ کی طرف آتے ہوئے ملیں۔ اس وقت تک پردے کی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں۔ انھوں نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا... وہ بولیں:

''الحمد للہ! اللہ کے رسول خیریت سے ہیں اور یہ لاشیں میرے شوہر، فرزند اور بھائی کی ہیں۔''

اتنے میں وہ اونٹ خود بخود بیٹھ گیا۔ اسے بہت ہانکا گیا، لیکن اس نے مدینہ کی طرف قدم نہ بڑھایا۔ یہ دیکھ کر ام المومنین نے ان سے پوچھا:

''کیا ان میں سے کسی نے مدینہ سے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔''

ہند رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''میرے شوہر عمرو بن الجموح نے چلتے وقت دعا مانگی تھی کہ الٰہی مجھے اہل و عیال کی طرف واپس نہ لانا۔''

یہ سن کر سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:

''انصار میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں، عمرو بھی ایسے ہی تھے، تم ان لاشوں کو واپس احد کے میدان میں لے جاؤ اور دوسرے شہیدوں کے ساتھ دفن کرو۔''

حضرت ہند نے اپنے اونٹ کا منہ میدان احد کی طرف کیا تو وہ تیزی سے چلنے لگا۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے سامنے دفن کرایا۔

مورخ ابن کثیر کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اُن کے بہنوئی حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا گیا۔

ایک روایت میں یہ تفصیل بھی آئی ہے کہ شہادت کے وقت ان کے چہرے پر بھی

ایک زخم آیا تھا۔ان کا ہاتھ اس زخم پر رکھا ہوا ملا تھا۔کسی نے ان کا ہاتھ ہٹایا تو زخم سے خون ٹپکنے لگا۔پھر ان کا ہاتھ خود بخود اس زخم پر جا ٹکا تو خون بند ہو گیا۔

صحیح بخاری میں ہے،غزوہ احد کے چھ ماہ بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان کی لاش کو دوسری قبر میں منتقل کیا۔اس وقت بھی ان کا جسم بالکل تر و تازہ تھا۔یوں لگتا تھا جیسے ابھی دفن کیے گئے ہوں۔

مؤطا امام مالک میں ہے کہ غزوہ احد کے چھیالیس سال بعد حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی قبر سیلاب کی وجہ سے کھل گئی۔لوگوں نے دیکھا تو لاش بالکل صحیح سالم تھی۔

ترمذی میں ہے،غزوہ احد کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ بہت غم زدہ رہنے لگے تھے،سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس حالت میں دیکھ کر پوچھا:

''جابر!تم اتنے غمگین کیوں ہو؟''

انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول!باپ شہید ہو گئے اور ان کے سر پر بہت سا قرض ہے،نو بہنیں ہیں،اس لیے فکر مند رہتا ہوں۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے بلا واسطہ اور بے حجاب (یعنی پردے کے بغیر) بات کی ہے،حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی سے بے پردہ بات نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو سامنے بلا کر فرمایا:اے میرے بندے!جو تمنا ہو،بیان کر،انھوں نے عرض کیا،اے

پروردگار مجھے پھر دنیا میں بھیج دے تا کہ پھر تیرے دشمنوں سے لڑوں اور شہادت پاؤں۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یہ میرا قطعی فیصلہ ہے، جو دنیا سے آئے گا، واپس نہیں بھیجا جائے گا۔''

تو عبداللہ نے عرض کیا:

''اچھا تو الٰہی! میرے حال کی خبر میرے پس ماندگان کو پہنچا دے۔''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یعنی: ''جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے، ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سن کر حضرت جابرؓ پرسکون ہو گئے۔

اس کے بعد اللہ نے ان کے باغوں کی کھجوروں میں اتنی برکت دی کہ ان کے والد کا سارا قرض ادا ہو گیا اور قرض ادا ہونے کے بعد بھی بہت کچھ بچ گیا۔

حضرت عبداللہ کے بیٹے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی بڑے صحابہ میں سے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔

☆☆☆

تیسرے سپہ سالار

رومی حاکم شرجیل عمرو غسانی کے سامنے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ پیش ہوئے اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک دیا۔ اس نے فوراً ان کی گرفتاری کا حکم دیا اور پھر انھیں قتل کروا دیا۔

قاصد یا سفیر کا قتل کسی بھی مذہب میں جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قاصد کے قتل کی خبر ملی تو آپ کو حد درجے صدمہ ہوا۔ آپؐ نے ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے جُمادی الاُولیٰ 8 ہجری میں تین ہزار مجاہدین کا لشکر روانہ فرمایا۔ لشکر کا سپہ سالار سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو لشکر کے امیر جعفر بن ابی طالب ہوں گے، اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ لشکر کی قیادت کریں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جسے مناسب سمجھیں اپنا امیر بنا لیں۔''

ایک یہودی اس موقع پر موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سن کر اس نے کہا:

''یہ تینوں تو ضرور اس لڑائی میں مارے جائیں گے، کیونکہ پہلے انبیاء کے اس قسم کے کلام کا یہی مطلب ہوتا تھا۔''

یہ سن کر ان تینوں حضرات نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں، اگر ہماری قسمت میں شہادت لکھی ہے تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید جھنڈا بنا کر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ اہل مدینہ سے رخصت ہونے لگے تو سبھی کو یقین تھا کہ اب اس دنیا میں ان حضرات سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوگی، جب ان سب نے انھیں رخصتی سلام کیا تو دعا دی:

''اللہ تمھیں بخیریت واپس لائے۔''

اس پر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے:

''میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور تلوار کی ایسی کاری ضرب جو جوش ٹھنڈا کر دے جس سے جھاگ دار خون پانی کی طرح بہے یا برچھے کا ایک ایسا وار جو آنتوں اور جگر کو چیرتا ہوا نکل جائے۔ یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر پر سے گزریں تو پکار اٹھیں، اللہ نے اس غازی کو ہدایت دی اور کامیاب کیا اور بے شک یہ ہدایت پر تھا۔''

رخصت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو یہ تاکید فرمائی:

''بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو نہ مارنا، ان کے درخت نہ کاٹنا، نہ ان کے گھر مسمار کرنا، اور نہ ان لوگوں کو کچھ کہنا، جو اپنی عبادت گاہوں میں گوشہ نشین ہوں۔''

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رخصت ہو کر مدینہ کی طرف مڑے تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا۔ انھوں نے بے ساختہ یہ شعر کہا:

''اس ذات پر آخری سلام کہ میں نے جن کو کھجور کے درختوں میں رخصت کیا،
جو ساتھ چلنے میں سب سے بہتر ہیں اور جو سب سے بہتر دوست ہیں۔''

O

رومی حاکم شرجیل عمرو غسانی کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی اطلاع ملی تو اس نے زور شور سے مقابلے کی تیاری شروع کر دی، ساتھ ہی شہنشاہ روم ہرقل کو مدد کے لیے پیغام بھیجا، وہ ان دنوں اسی علاقے میں بلقاء کے مقام پر ایک بڑے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے ایک لاکھ کے قریب رومی جنگجو شرجیل کی مدد کے لیے بھیج دیے۔ اسلامی لشکر نے شام کی حدود میں داخل ہو کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، تو انھیں دشمن کی زبردست جنگی تیاریوں کا علم ہوا اور بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ان حالات کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی جائے۔ اس کے جواب میں سیدنا عبداللہؓ بن رواحہ نے فرمایا:

''اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو، تمہارا مقصد تو اللہ کے راستے میں اپنی جانیں قربان کرنا ہے، مسلمان کبھی مادّی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے بل پر نہیں لڑتے، وہ تو صرف دین حق کی خاطر لڑتے ہیں، جس نے انھیں عزت بخشی، آگے بڑھو اور

دو کامیابیوں میں سے ایک حاصل کرلو.. شہادت یا فتح۔“

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی اس تقریر نے تمام مسلمانوں میں بے پناہ جوش بھر دیا۔ ان میں شہادت کا شوق موجیں مارنے لگا۔ موتہ کے مقام پر رومیوں سے آمنا سامنا ہوا، رومی لشکر مسلمانوں سے قریباً 50 گنا زیادہ تھا۔ یہ صرف تین ہزار تھے اور وہ قریباً ڈیڑھ لاکھ تھے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مردانہ وار لڑے۔ تمام مسلمان جان توڑ کر لڑ رہے تھے، ایسے میں حضرت زیدؓ بن حارثہ شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے، ان کے شہید ہوتے ہی جھنڈا حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے تھام لیا۔ نہایت بے جگری سے لڑے۔ ان کے جسم پر نوے زخم آئے، آخر شہادت کا رتبہ پانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے جھنڈا اٹھایا۔ انھوں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا تھا، شہادت سے تھوڑی دیر پہلے ان کے سامنے گوشت رکھا گیا تا کہ کھا کر پوری قوت سے لڑ سکیں... پہلا لقمہ منہ میں رکھا تھا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی۔ فوراً لقمہ اگل دیا اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا:

”جعفر دنیا سے رخصت ہوئے اور تو اب تک دنیا میں مشغول ہے۔“

یہ کہا، علم سنبھالا، تلوار ہاتھ میں لی اور دشمن کی صفوں کی طرف چلے۔ اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

”اے نفس! اگر قتل نہ ہوگا تب بھی مرے گا کہ موت کا حمام گرم کر دیا گیا ہے اور جو

تیری تمنا تھی، وہ پوری ہو رہی ہے، اگر تو نے ان شہیدوں جیسے کام کیے تو ہدایت پا گیا۔"

اس کے بعد کافروں پر بجلی طرح ٹوٹ پڑے۔ لڑتے لڑتے انگلی میں شدید زخم آ گیا، وہ لٹک گئی، آپ گھوڑے سے اترے، پاؤں سے اس انگلی کو دبا کر ہاتھ کو اوپر کھینچا، اس طرح جسم سے الگ ہوگئی۔ ادھر خون زیادہ نکل گیا تھا، کمزوری محسوس ہونے لگی، کچھ پریشانی سی محسوس ہوئی کہ اب کیسے لڑوں گا۔ فوراً ہی اپنے آپ سے کہا:

"یہ پریشانی اگر بیوی کی وجہ سے ہے، تو اس کو طلاق، اگر غلاموں کی وجہ سے ہے، وہ سب آزاد، اگر باغ کی وجہ سے ہے تو باغ اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں۔"

یہ کہا اور مردانہ وار دشمنوں میں گھس گئے۔ اس وقت آپ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

"اے نفس! میں تجھے قسم دیتا ہوں، تجھے میدان میں اترنا ہوگا، چاہے خوشی سے اتر، چاہے ناگواری سے۔ اگر لوگ جمع ہوئے اور رونے کی آواز بلند کی تو مجھے کیا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اے نفس! تجھے جنت میں جانے سے کراہت ہے۔ تو نے اطمینان کا بہت طویل زمانہ گزارا ہے، تو وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں بالکل بے بس تھا۔"

اس طرح اشعار پڑھتے رہے اور دیر تک دشمن سے مردانہ وار لڑتے رہے۔ آخر ایک دشمن نے برچھی کا ایک ایسا سخت وار کیا کہ خون فوارے کی طرح نکلا، اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرے پر ملا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"مسلمانو! اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ۔"

مطلب یہ کہ دشمن اُن کی لاش کو خراب نہ کرنے پائیں، چنانچہ مسلمانوں نے ان کے

گرد گھیرا ڈال دیا اور کفار کو پیچھے دھکیل دیا۔ اسی دوران ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر کی قیادت سونپی۔ انھوں نے غازیان کو جمع کر کے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایسے اکھڑے کہ پھر جم نہ سکے۔

ادھر یہ حال تھا اور ادھر مدینہ منورہ میں کیا ہو رہا تھا؟... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ میدان جنگ مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل دور تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:

''جھنڈا زید نے لیا اور وہ شہید ہو گئے، جھنڈا لیا اب جعفر نے اور وہ شہید ہوئے، جھنڈا لیا اب عبداللہ بن رواحہ نے اور وہ بھی شہید ہوئے۔ اب جھنڈا لیا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اور اللہ نے اس کے ہاتھ پر فتح دی۔''

گویا میدان جنگ کا نقشہ اس وقت آپؐ کے بالکل سامنے تھا اور وحی کے ذریعے آپؐ کو پل پل کی خبر دی جا رہی تھی۔ اس واقعہ کی بنا پر حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دن ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے تھے جو ہر وقت، ہر لمحے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اسی لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔

ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ قبیلے کے بااثر لوگوں میں سے تھے۔ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بہت اچھے شاعر تھے۔ عقبہ کی پہلی بیعت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلام کا پیغام پہنچا تو انھوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ عقبہ کی دوسری بیعت میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر جو بارہ نقیب چنے گئے، ان میں یہ بھی شامل تھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ استقبال کرنے والوں میں شامل تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارے کے موقع پر اپنے جلیل القدر صحابی حضرت مقدادؓ بن اسود کو ان کا بھائی بنایا۔ مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو تعمیر میں حصہ لیا۔ غزوہ بدر سے لے کر غزوہ موتہ تک تمام معرکوں میں شرکت کی یہاں تک کہ شہادت پائی۔ غزوہ خندق کے موقع پر آپ بھی خندق کھدواتے رہے، 6 ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر بھی شامل تھے۔ انھیں بھی بیعتِ رضوان کا شرف حاصل ہوا۔ 6 ہجری میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قیادت میں پانچ آدمی دے کر ابورافع کے قتل کے لیے بھیجا، وہ اسلام کی مخالفت میں حد سے گزر گیا تھا۔ ان حضرات نے اس کا کام تمام کیا اور بخیریت لوٹ آئے۔ ابورافع کی جگہ مسلمانوں کی مخالفت کا کام اسیر بن رزام نے شروع کیا تو آپ نے تیس صحابہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف روانہ فرمایا۔ اس طرح اسیر بن رزام اور اس کے ساتھی بھی ان کے ہاتھوں مارے گئے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائش کرکے ان سے اشعار سنے، ان کی تعریف فرمائی۔

عبادت کا یہ حال تھا کہ فرض نمازوں کے علاوہ نفل نمازیں بھی کثرت سے پڑھتے تھے۔شدید گرمی میں بھی نفل روزہ ترک نہ کرتے، یہاں تک کہ سفر میں بھی روزہ رکھتے تھے۔اللہ کا ذکر بھی کثرت سے کرتے۔تھے۔

جہاد کا بے حد شوق تھا۔تمام غزوات میں آگے رہتے،غزوہ سے فارغ ہوتے تو سب کے بعد میدان جہاد سے واپس آتے۔شہادت کی آپ کو دلی تمنا تھی اور اللہ نے ان کی تمنا پوری فرمائی۔

اللہ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔آمین

☆☆☆

سودا کرنے والے

ایک خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ سوال کیا، لیکن اس وقت آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں تھا، اس لیے معذرت فرمائی، اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا۔ آپ اٹھ کر مسجد میں چلے گئے اور یہ خاتون اپنے داماد کے گھر چلی گئیں، وہاں انھوں نے دیکھا۔ داماد صاحب گھر میں بیٹھے ہیں، جب کہ اذان ہوچکی تھی۔ حیران ہوئیں اور بولیں:

''یہ کیا... نماز کا وقت ہوگیا اور تم گھر میں بیٹھے ہو؟''

اس پر داماد صاحب نے کہا:

''خالہ جان! بات یہ ہے کہ میرے پاس ایک ہی قمیص تھی۔ اس پر بھی میں نے پیوند لگا رکھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مجھ سے عاریتاً لے لی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی پہننے کے لائق کوئی کپڑا نہیں تھا۔ اب مجھے شرم آئی کہ قمیص کے بغیر مسجد جاؤں اور لوگوں کو بتاتا پھروں کہ حضورؐ نے میری قمیص لی ہے۔''

داماد کا جواب سن کر حضرت شفا بنت عبداللہ بہت شرمسار ہوئیں کہ اس حالت میں وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر رہی تھیں، اور ان کے داماد کا حال یہ تھا کہ ایک ہی قمیص تھی جو اتار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔

ان داماد کا نام حضرت شرحبیل بن حسنہ تھا۔ شرحبیل کے والد کا نام عبداللہ بن مطاع تھا۔ آپ کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ یہ ابھی بچے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، والدہ کا نام حسنہ تھا۔ اہل مکہ چونکہ ان کے والد کو نہیں جانتے تھے، اس لیے آپ کو شرحبیل بن حسنہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ تاریخ میں آپ کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

انھوں نے اسلام کی ابتدا ہی میں اسلام قبول کیا یعنی اس وقت اعلانیہ تبلیغ شروع نہیں ہوئی تھی۔ مسلمان اس وقت چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔

مسلمان ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کی ایک ٹولی ادھر سے گزری۔ ان حضرات کو نئے طریقے سے عبادت کرتے دیکھ کر وہ بھڑک اٹھے اور ان مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت سعد کو جوش آ گیا۔ پاس پڑی ہوئی اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کے سر پر دے ماری۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ اب تو دوسرے مسلمان بھی مقابلے پر اُتر آئے۔ مشرکین نے ان کو مقابلے کے لیے تیار دیکھا تو ڈھیلے پڑ گئے اور اپنے زخمی ساتھی کو لے کر بھاگ نکلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے اپنے صحابی حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کے مکان کو اسلام کی تبلیغ کا مرکز فرما دیا۔ اب سب وہاں نماز ادا کرنے

لگے۔ حضرت شرحبیل بھی وہیں نماز ادا کرتے۔

نبوت کے چوتھے سال اعلانیہ تبلیغ کا حکم آیا۔ آپ نے مشرکین کو اعلانیہ دعوت دی تو وہ پھٹ پڑے۔ مسلمانوں پر ظلم وستم کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ شرحبیل اور ان کے گھر کے افراد بھی ظلم کا شکار بنے۔ ظلم حد سے بڑھا تو نبوت کے پانچویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ گیارہ مرد اور چار عورتیں حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اگلے سال 80 مردوں اور بیس کے قریب خواتین نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس میں حضرت شرحبیلؓ بھی اپنے خاندان سمیت شامل تھے۔ تمام سیرت لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ جن صحابہ کرام کو کتابت کا شرف حاصل ہوا، حضرت شرحبیلؓ بھی ان میں شامل ہیں۔ حبشہ میں تیرہ برس گزارے۔ ان مہاجرین میں حضرت ام حبیبہ بنت سفیان رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ یہ بھی حضرت شرحبیلؓ والے دوسرے قافلے کے ساتھ حبشہ پہنچی تھیں۔ ان کے خاوند عبید اللہ بن جحش بھی ساتھ تھے۔ بدقسمتی سے عبید اللہ بن جحش نے حبشہ پہنچ کر عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ شراب پینے لگے۔ عیسائیت کی حالت میں ہی وفات پائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپؐ نے نجاشی کے ذریعہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس طرح نجاشی نے غائبانہ ان کا نکاح کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر بھی ادا کردیا۔ یہ واقعہ 6 ہجری کا ہے۔ پھر نجاشی نے تمام مہاجرین کو دو کشتیوں میں سوار کر کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ کردیا۔ ان میں

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ بھی تھے، نجاشی نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضرت شرحبیل بن حسنہ کی نگرانی میں دیا تھا۔ یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے، لیکن ابھی مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے، چنانچہ ان حضرات نے مدینہ منورہ میں ٹھہر کر انتظار نہ کیا اور آپؐ سے ملاقات کے لیے خیبر کا رخ کیا۔ چنانچہ وہاں جا کر ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سال کے بچھڑے ہوئے ان جاں نثاروں کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے، آپؐ نے ان حضرات کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ ان تمام حضرات کو ''ذوالھجرتین'' کا لقب عطا ہوا۔ یعنی دو ہجرتیں کرنے والے۔ حضرت شرحبیلؓ بھی اس اعزاز میں شریک ہیں۔ آپؓ غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سفیر بھی بنا کر بھیجا، چنانچہ وہ مصر ہی میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت شرحبیلؓ فوراً مدینہ منورہ پہنچے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہوتے ہی مرتدوں کا فتنہ نمودار ہو گیا۔ آپ نے اس فتنے کے خلاف گیارہ لشکر روانہ فرمائے، ان میں سے ایک لشکر حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا، انھیں ہدایت فرمائی کہ مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لیے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا جو لشکر بھیجا گیا ہے، یہ اس کی مدد کریں اور اس کے بعد کندہ اور حضرت موت کے مرتدوں کا کام تمام کریں۔

اب ہوا یہ کہ مسیلمہ کذاب نے اپنے گرد بہت طاقت جمع کر لی تھی۔ حضرت عکرمہ اس کی طاقت کا درست طور پر اندازہ نہ کر سکے اور حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کی آمد سے پہلے ہی اس سے جنگ شروع کر بیٹھے، چنانچہ انھیں پسپا ہونا پڑا۔ حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو ان کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش آئی، لیکن انھوں نے یہ کیا کہ پیچھے ہٹ کر مسیلمہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ جاری رکھی تا کہ اسے مصروف رکھا جا سکے اور دوسری طرف انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساری صورت حال لکھ بھیجی۔

اس وقت تک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی مہم سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں شرحبیل رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ یمامہ کے میدان میں زبردست معرکہ ہوا۔ خون ریز ترین جنگ لڑی گئی۔ اس لڑائی میں حضرت شرحبیلؓ سر سے کفن باندھ کر لڑے۔

آخر کار مرتدوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے پرخچے اُڑ گئے۔ خود مسیلمہ بھی اس لڑائی میں مارا گیا۔ چند ماہ کے اندر اندر تمام مرتدوں کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا۔

13 ہجری میں شام کی رومی سلطنت کے خلاف جہاد شروع ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے لیے چار سپہ سالار مقرر فرمائے۔ ان میں سے ایک لشکر کے سالار حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ تھے، انھیں اردن کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ علاقہ بھی اس وقت شام میں شامل تھا۔ ان کے علاوہ تین لشکر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت یزید بن ابوسفیان اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی قیادت میں حمص،

بلقاء اور دمشق کی سمتوں میں روانہ کیے گئے۔ یہ سب علاقے شام میں شامل تھے۔ ان چاروں لشکروں کے سالاروں کو ہدایت کی گئی کہ جو لشکر اپنی مہم سے فارغ ہو جائے، وہ اپنے نزدیک کے دوسرے اسلامی لشکر کی مدد کو پہنچ جائے، اس صورت میں لشکر کے سپہ سالار وہی ہوں گے جو اس محاذ پر پہلے سے لڑ رہے ہوں گے اور اگر کسی میدان میں سب کے سب جمع ہو جائیں تو اس صورت میں سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح ہوں گے۔

حضرت یزید بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ تبوک کے مقام پر ان کا مقابلہ رومیوں کی ایک زبردست فوج سے ہوا۔ اس فوج کی قیادت روم کے چار تجربہ کار سالار کر رہے تھے۔ اس فوج کے مقابلے میں حضرت یزید بن ابو سفیان کی فوج بہت کم تھی، لیکن انھوں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور اس سے ٹکرا گئے۔ خوب جم کر لڑے۔ پہلے دن لڑائی کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ دوسرے دن پھر مقابلہ شروع ہوا۔ عین اس وقت جب لڑائی پورے زوروں پر تھی، حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ یہ حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ کی روانگی کے بعد بصریٰ کی طرف روانہ ہوئے تھے، لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ حضرتؓ یزید بن ابو سفیانؓ کا مقابلہ بڑے لشکر سے شروع ہو چکا ہے تو یہ ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگا کر جب یہ میدان جنگ میں کودے تو حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے اس مدد کو اللہ کی مدد خیال کیا، مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ادھر رومیوں کے رنگ اڑ گئے، مسلمانوں نے رومیوں کی صفوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا۔ تمام بڑے بڑے رومی افسر

میدان جنگ میں کھیت رہے۔ یہاں تک کہ رومی فوج اپنے ہزار ہا آدمی کٹوا کر بھاگ نکلی۔

جنگ کے بعد حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ سے بغل گیر ہوئے، دونوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ اب حضرت یزیدؓ نے بلقاء کا رخ کیا اور حضرت شرحبیلؓ بصریٰ کی طرف چلے۔

بصریٰ کا حاکم روباس تھا۔ حضرت شرحبیلؓ اپنے چار ہزار جانبازوں کا لشکر لیے بصریٰ پہنچ گئے۔ اس دوران حضرت خالدؓ بن ولید بھی عراقِ عرب سے اپنی فوج کے ساتھ بصریٰ ان سے آملے۔ انھوں نے حضرت شرحبیلؓ کے ساتھ مل کر بصریٰ کے رومی جنگجوؤں پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ چیخ اٹھے: ''ہمیں امان دی جائے، ہمیں پناہ دی جائے۔''

انھوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ حضرت خالدؓ نے جزیے کی شرط پر انھیں امان دے دی۔ اس کے بعد وہ حضرت شرحبیلؓ کو بصریٰ میں چھوڑ کر خود دمشق کی طرف بڑھے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ دوسری طرف ہرقل کو بصریٰ پر مسلمانوں کے قبضہ کی اطلاع ملی تو اس نے نوے ہزار رومی فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھیج دی۔ اس فوج نے اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ حمص کا رومی حاکم وردان بھی ایک بڑی اور زبردست فوج کے ساتھ اس ارادے سے روانہ ہوا کہ حضرت شرحبیل کا رابطہ دمشق، بلقا اور فلسطین میں موجود اسلامی فوجوں سے کاٹ دے۔ حضرت ابوعبیدہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو رومیوں کی پیش قدمی اور

تیاریوں کی اطلاعات ملیں تو انھوں نے فیصلہ کیا، تمام اسلامی فوجیں ایک جگہ جمع ہو کر اس طوفان کا سامنا کریں، چنانچہ وہ دمشق سے محاصرہ اٹھا کر اجنادین کی طرف بڑھے اور باقی سالاروں کو بھی وہاں پہنچنے کا پیغام بھیج دیا۔

اس طرح حضرت شرحبیلؓ بصریٰ سے اجنادین کی طرف چل پڑے۔ دردان نے ان کا راستہ روکنے کی پوری کوشش کی، لیکن روک نہ سکا، وہ اجنادین پہنچ گئے۔ ان کے بعد حضرت یزید بن سفیان اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بھی اپنی فوجیں لے کر اجنادین آ کر بڑے اسلامی لشکر کے ساتھ مل گئے۔ دوسری طرف دردان بھی اپنی فوج کو وہاں لے آیا اور رومی لشکر کے ساتھ شامل ہو گیا۔

28 جُمادَی الاُولیٰ 13 ہجری کو اجنادین کے میدان میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان بہت خون ریز لڑائی ہوئی۔ رومیوں نے دلیری دکھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، لیکن مسلمانوں کے جوش اور جذبے کے آگے ان کی ساری دلیری دھری کی دھری رہ گئی۔ یوں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ عظیم سپہ سالار عطا فرمائے تھے جن کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ دردان، تذارق اور قبقلا وغیرہ بڑے بڑے رومی افسر مارے گئے تو ان کا حوصلہ شکست کھا گیا، وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ اس لڑائی میں تین ہزار مسلمان شہید ہوئے جب کہ رومی کئی گنا زیادہ مارے گئے۔

اجنادین کے شہدا میں حضرت عمروؓ بن العاص کے چھوٹے بھائی حضرت ہشامؓ بن العاص بھی تھے۔ یہ شروع میں اسلام لانے والوں میں شامل تھے۔ جب مسلمان رومیوں

کا تعاقب کر رہے تھے تو راستے میں تنگ گھاٹی آ گئی۔ اس میں سے ایک وقت میں صرف ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ جو مسلمان اس مقام سے پار ہو گئے، ان سے رومی لڑنے لگے، ایسے میں حضرت ہشامؓ بن عاص اس گھاٹی میں شہید ہو گئے۔ اب مسلمانوں کا آگے بڑھنا رک گیا، کیونکہ آگے ان کے مسلمان بھائی کی لاش پڑی تھی، ان کے آگے بڑھنے سے لاش گھوڑوں کے سموں سے کچلی جاتی۔ اس کیفیت کا حضرت عمروؓ بن العاص کو پتا چلا تو انھوں نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کو شہادت عطا فرما دی، اس کی روح کو اٹھا لیا، یہاں تو صرف جسم ہے، اس لیے تم لاش کے اوپر سے گزر جاؤ اور اللہ کے دشمنوں سے لڑو۔''

یہ کہہ کر انھوں نے خود گھوڑا آگے بڑھایا، دوسروں نے ان کا ساتھ دیا، اس طرح شہید کی لاش کے ٹکڑے ہو گئے۔ جنگ ختم ہوئی تو حضرت عمرو بن عاص نے بھائی کی لاش کے ٹکڑے جمع کر کے دفن کر دیے۔

اب اسلامی لشکر دمشق کی طرف بڑھا۔ دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ ادھر یہ محاصرہ جاری تھا۔ آخر ایک دن حضرت شرحبیلؓ نے بڑے پرجوش انداز میں قلعہ پر حملہ کیا۔ ادھر قلعہ سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ تیروں کی بارش سے حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کے کئی ساتھی زخمی اور شہید ہو گئے۔ ان میں مشہور صحابی حضرت سعید بن ربان رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ ان کی اہلیہ حضرت امِ ربانؓ بھی لشکر میں شامل تھیں۔ تیر

اندازی میں حد درجے ماہر تھیں۔ انھوں نے تاک تاک کر رومیوں کو تیر مارے۔ ایک تیر اس پادری کو لگا جو صلیب ہاتھ میں پکڑے رومیوں کو جوش دلا رہا تھا۔ تیر لگتے ہی صلیب اس کے ہاتھ سے گری۔ اس پر رومی بھڑک گئے، قلعہ کا دروازہ کھول کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت شرحبیلؓ نہایت جواں مردی سے ان کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ ادھر حضرت ام ربانؓ کی کمان سے نکلا ہوا ایک تیر رومی سردار تومائی کی آنکھ میں لگا۔ وہ چیخ مار کر بھاگا۔ اس کے لشکر نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا لشکر بھی بھاگا۔ سب قلعہ میں گھس گئے۔ اس طرح کئی بار حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ نے جوش دکھایا اور دشمنوں پر بھاری پڑتے رہے، خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف کی۔ آخر کئی ماہ بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا:

''مال غنیمت نہ لوٹا جائے، کسی کو قیدی نہ بنایا جائے۔''

اس کے بعد مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا۔ یہاں رومی زور شور سے مسلمانوں سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ان کا پڑاؤ نخل کے مقام پر تھا۔ اس مقام کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت شرحبیل کو بھیجا۔ رومیوں نے ان پر رات کے وقت حملہ کرنے کا پروگرام ترتیب دیا، لیکن حضرت شرحبیلؓ چوکنے تھے، لہٰذا وقت پر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی، یہاں تک کہ تمام رات بیت گئی۔ لڑائی دن میں داخل ہو گئی۔ مسلمانوں نے لڑائی کے وہ جوہر دکھائے کہ رومیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب یہ مجاہدین بیسان کے مقام پر پہنچے، رومی یہاں زیادہ دیر نہ

ٹھہر سکے اور صلح پر مجبور ہوئے۔ اس طرح حضرت شرحبیلؓ نے اردن کے آس پاس کے تمام علاقے بھی فتح کر لیے۔

پے در پے شکست کھانے پر روم کا بادشاہ ہرقل غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے تمام علاقوں سے فوجیں بلالیں۔ ان گنت رومیوں کو فوج میں بھرتی کر لیا۔ رومیوں کے فوجی دستے انطاکیہ میں جمع ہو گئے۔ ہرقل نے اپنے نامور سپہ سالار باہان کو فوج کی کمان سونپی اور حکم دیا کہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دے۔

دوسری طرف سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں کی زبردست تیاریوں کی اطلاع ملی۔ انھوں نے بھی سپہ سالاروں کو حمص بلالیا، مشورہ کیا۔ طے پایا کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ حمص کے عیسائیوں نے جزیے میں ایک بھاری رقم مسلمانوں کو ادا کی تھی، اب جب کہ مسلمانوں کو حمص سے نکلنا پڑا اور وہ ان عیسائیوں کی حفاظت کے قابل نہ رہے تو وہ ساری رقم انھیں واپس کر دی۔ مسلمانوں کا یہ سلوک دیکھ کر عیسائی حیرت زدہ رہ گئے، رو رو کر مسلمانوں کو دعائیں دینے لگے۔ ان کی جلد واپسی کی دعائیں کرنے لگے۔

تمام مسلمان سپہ سالار دمشق میں جمع ہوئے۔ اور رومی فوج اردن میں داخل ہو گئی۔ اس نے ہر طرف تہلکہ مچا دیا۔ مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ تمام اسلامی فوجیں ایک جگہ جمع ہو کر رومیوں کا مقابلہ کریں اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مدد طلب کی جائے۔

اس فیصلے کے بعد ان سب نے دمشق سے کوچ کیا اور اردن کی حدود میں پہنچ کر یرموک کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

رومی فوجیں بھی طوفانی رفتار سے وہاں آ گئیں۔رومی لشکر کی تعداد دو لاکھ سے پانچ
لاکھ تک مورخین نے لکھی ہے جب کہ ان کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی کل تعداد
36 ہزار کے لگ بھگ تھی۔تاہم اسلامی فوج کے حوصلے بہت بلند تھے۔

اس لڑائی میں حضرت شرحبیل بن حسنہ میسرہ کے سپہ سالار تھے۔انھوں نے شروع
سے آخر تک ایسی جواں مردی دکھائی کہ ہر ایک نے ان کے جوش ایمان کی تعریف کی۔

یرموک کی لڑائی کے دنوں میں ایک روز 30 ہزار کے ایک دستے نے حضرت شرحبیل
رضی اللہ عنہ کے دستے پر اس زور کا حملہ کیا کہ بیشتر مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔حضرت
شرحبیلؓ صرف 500 مجاہدین کے ساتھ پہاڑ کی طرح جم کر مقابلہ کرتے رہے اور
رومیوں کی پیش قدمی روک دی۔اپنے سالار کو ڈٹے دیکھ کر مسلمان بھی پلٹ پڑے اور
غضب ناک انداز میں حملہ کیا،حضرت شرحبیلؓ ان کے پلٹنے پر بولے:

''تم نے یہ کیا کیا،بہشت کو چھوڑ کر دوزخ میں گرنے چلے تھے۔''

مسلمان شرمندہ ہو گئے،جان توڑ کر لڑے اور رومیوں کو بھگا دیا۔

ایک اور موقع پر دشمن کے ایک لاکھ تیر اندازوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کیا،انھوں
نے اس قدر تیر برسائے کہ سینکڑوں مجاہدین شہید یا زخمی ہو گئے،مورخین نے لکھا ہے کہ یہ
مسلمانوں پر سخت ترین دن تھا۔شہدا اور دوسرے زخمیوں کے علاوہ سات سو مسلمانوں کی
آنکھوں میں تیر لگے۔ان کی ایک ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔اس موقع پر حضرت خالد بن
ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے کچھ آزمائے ہوئے جانبازوں کو ساتھ لیا اور تیروں کی بارش

میں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے تیراندازوں پر جاپڑے اور تابڑ توڑ حملے کر کے ان میں بھگدڑ مچادی۔ ان جانبازوں میں حضرت شرحبیل بھی تھے۔

ایک دن رومی جرنیل ابن قناطیر نے میسرہ پر بڑا زبردست حملہ کیا۔ اس کے مقابلے میں نئے نئے مسلمان تھے۔ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ رومی تعاقب کرتے عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر عورتیں باہر نکل آئیں۔ ان کی دلیری نے عیسائیوں کی یلغار روک دی۔ مجاہدین اگرچہ منتشر ہو گئے تھے لیکن سالاروں میں حضرت قباث بن رشیم، سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم جم کر لڑتے رہے۔ حضرت شرحبیل کا تو یہ حال تھا کہ رومی ان پر چاروں طرف سے ٹوٹے پڑ رہے تھے اور وہ ان کے درمیان گھرے پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے، آپ قرآن کی یہ آیت پڑھ رہے تھے:

(ترجمہ) ''اللہ نے جنت کے بدلے مسلمانوں کی جان اور مال کو خرید لیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔''

ساتھ میں وہ پرجوش انداز میں کہہ رہے تھے:

''خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسائے بننے والے کہاں ہیں؟''

یہ جملہ جس کے کان میں پڑا، پلٹ آیا۔ یہاں تک کہ اکھڑے قدم جم گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رومیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ ان کے 70 ہزار سے زائد فوجی مارے گئے۔ ان کی لاشوں سے میدان جنگ پٹ گیا۔

ہرقل انطاکیہ سے فرار ہوکر قسطنطنیہ جانے پر مجبور ہوگیا۔ انطاکیہ سے روانہ ہوتے وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے: ''الوداع! اے سرزمین شام۔''

یرموک کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قنسرین، حلب، انطاکیہ، مرعش، حصن حرث، بوتا، جرمہ اور کئی دوسرے علاقے فتح کر لیے۔ پھر فلسطین کے مرکزی شہر بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا۔ اس فوج میں بھی حضرت شرحبیلؓ شامل تھے۔ وہاں کے لوگوں نے اس شرط پر صلح کرنا منظور کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بیت المقدس آئیں۔''

حضرت عمر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو دوسرے سالاروں کے ساتھ حضرت شرحبیلؓ بھی شامل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اردن کا والی مقرر فرمایا۔

8 ہجری میں شام میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ حضرت شرحبیل بھی اس وبا میں چل بسے اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

آپ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل تھے۔ جہاد کا شوق حد درجے تھا، اسی طرح عبادت گزار بھی بہت تھے۔ دو ہجرتوں کی سعادت حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمتیں ہوں۔ آمین

☆☆☆

جنت کے حق دار

''جو شخص محمد کو قتل کرے گا، اس کا سر میرے پاس لائے گا، اسے سو سرخ اونٹ انعام دوں گا۔'' (معاذ اللہ)

ابو جہل نے یہ اعلان اس وقت کیا جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔ ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر گویا اس پر بجلی بن کر گری اور غصے میں آ کر اس نے یہ اعلان کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو ابو جہل نے خاص طور پر اکسایا کہ تم یہ کام نہیں کیوں کرتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی غصے میں آ گئے، تلوار میان سے نکال لی اور پکارے:

''ٹھیک ہے، اس کام کو میں انجام دوں گا۔''

یہ کہا اور چل پڑے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف۔ راستے میں ان کے قبیلے کے ایک صاحب حضرت نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ یہ ایمان لا چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے تیور دیکھ کر ڈر گئے اور ان سے پوچھا:

''عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟''

انھوں نے فوراً کہا:

''میں آج محمد کا خاتمہ کرنے جارہا ہوں، اس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے، ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہمارے دین میں کیڑے نکالتا ہے۔''

یہ سن کر حضرت نعیمؓ نے کہا:

''پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ خبر سن کر آگ بگولا ہو گئے۔ سیدھے اپنی بہن کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اندر حضرت خباب بن الارت، حضرت عمرؓ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قرآن پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کے کانوں میں قرآن کے الفاظ پڑے، انھوں نے دستک دی اور پکارے:

''دروازہ کھولو۔''

ان کی آواز سن کر اندر موجود تینوں حضرات خوف زدہ ہو گئے، حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ گھر میں ایک جگہ چھپ گئے۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے قرآن کے اوراق چھپا دیے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھولا، حضرت عمر فوراً اندر آ گئے اور بولے:

''یہ آواز کیسی تھی، تم کیا پڑھ رہے تھے؟ میں نے سنا ہے، تم دونوں بے دین ہو چکے ہو۔ میں تمھیں اس حرکت کا مزا چکھاتا ہوں۔''

یہ کہا اور ان پر پل پڑے۔ انھیں خوب مارا، بہن شوہر کو چھڑانے کے لیے آگے

بڑھیں تو انھیں بھی مارا۔ خوب مارا، یہاں تک کہ دونوں لہولہان ہو گئے۔ ایسی حالت میں بہن نے کہا:

''عمر تم سے جو ہو سکتا ہے، کرلو، سن لو، ہم اسلام قبول کر چکے ہیں، ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ اسلام اب ہمارے سینوں سے نکل نہیں سکتا۔''

خون میں نہائی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیرت زدہ رہ گئے، شرمندہ ہو گئے۔ بولے:

''اچھا! تم جو کچھ پڑھ رہے تھے، مجھے بھی سناؤ۔''

جواب میں انھوں نے کہا:

''ہم اللہ کا کلام پڑھ رہے تھے۔ جب تک تم غسل نہیں کر لیتے، اس کو نہیں چھو سکتے۔''

چنانچہ انھوں نے غسل کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا لا کر سامنے رکھ دیے۔ اس وقت سورہ طٰہٰ ان کے سامنے تھی۔ اس کو پڑھنا شروع کیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بھی سامنے آ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل سے کفر کے بادل چھٹنے لگے۔ بے ساختہ پکار اٹھے:

''کس قدر عمدہ کلام ہے؟''

اس وقت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے عمر! مبارک ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی۔ آپ نے ابھی کل ہی دعا مانگی تھی:

''اے اللہ! عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر ابن خطاب میں سے جسے تو چاہتا ہے، اسلام میں داخل کر دے۔''

حضرت عمر نے فوراً ان سے کہا:

''مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لے چلو۔''

اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بہت ہاتھ ہے۔

یہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو عدی سے تھے۔ ان کے والد حضرت زید اسلام سے پہلے بتوں سے بہت نفرت کرتے تھے۔ ان کے خلاف اشعار پڑھا کرتے تھے۔ ان کے گھر میں حضرت سعید نے آنکھ کھولی۔ ان کی شادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت فاطمہؓ بنت خطاب سے ہوئی تھی۔ دونوں میاں بیوی اسلام کے آغاز میں ہی ایمان لے آئے۔ مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت سعیدؓ سب سے پہلے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت ابولبابہ انصاریؓ کے گھر قیام کیا۔ ہجرت کے سفر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرایا تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو حضرت رافع بن مالک زرقی انصاری کا اسلامی بھائی بنایا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپؐ نے انھیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔

2 ہجری میں غزوہ بدر ہوا۔ حضرت سعید بن زید 313 صحابہ میں شامل تھے، ایک

روایت یہ بھی ہے آپؓ نے انھی دنوں حضرت سعید اور حضرت طلحہ کو ایک خاص کام سے شام کی طرف بھیجا۔ یہ واپس آئے تو غزوہ بدر ہو چکا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا اور جہاد کے ثواب کی بھی بشارت فرمائی۔ بہرحال یہ بدری صحابہ میں شامل ہیں۔

بدر کے بعد آپ نے دوسرے غزوات میں بھی شرکت کی۔ 6 ہجری میں بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر فوج کے ایک دستے کے افسر تھے۔ غزوہ تبوک کی سختیاں برداشت کیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اجنادین کے ہولناک معرکے میں آپ شریک تھے۔ آپ اس لڑائی میں سر سے کفن باندھ کر لڑے، پھر اسلامی لشکر کے ساتھ دمشق کا رخ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رومیوں کے خلاف جنگوں میں برابر حصہ لیا۔ جنگ یرموک رومیوں کے خلاف بہت بڑی جنگ تھی، اس میں آپ فوج کے ایک دستے کے افسر تھے۔ اس لڑائی میں ایک بار مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو حضرت سعید دوسرے صحابہ کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر دشمن کے مقابلے پر جم گئے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو یہ شیر کی طرح جھپٹے اور رومیوں کے مقدمہ کے افسر کو مار گرایا، آپ کی اور دوسرے جانبازوں کی جانبازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں کا ٹڈی دل لشکر شکست کھا گیا۔

اسی زمانے میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ انھوں نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن ان کے دل میں جہاد کا

شوق موجیں مار رہا تھا۔ انھوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا کہ آپ تو جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں، اس لیے میرا خط ملتے ہی میری جگہ کسی اور کو بھیج دیں۔ پھر دمشق کی امارت کو چھوڑ کر جہاد میں شریک ہوگئے اور جب تک شام مکمل طور پر فتح نہیں ہوگیا، شریک رہے۔

شام کی فتح کے بعد آپ مدینہ منورہ آگئے۔ بلوائیوں نے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو آپ نے ان ظالموں کے خلاف کوفے کی مسجد میں یہ تقریر کی:

''لوگو! تم نے عثمان کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی ہیں، جو زیادتیاں کی ہیں، اگر ان کی وجہ سے احد پہاڑ پھٹ جائے تو اس کا پھٹ جانا بالکل بجا ہوگا۔''

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے 50 یا 51 ہجری میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

وفات کے وقت آپ کی عمر 70 یا 73 سال تھی۔ بعض روایات کی رو سے آپ کی عمر 80 سال تھی۔

آپ عشرہ مبشرہ میں شامل تھے، یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دنیا میں جنت کی بشارت دی تھی۔ نماز میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر رہتے تھے۔ میدان جہاد میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک عورت اروٰی نے مدینہ منورہ کے حاکم مروان بن حکم کی عدالت میں

شکایت کی کہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کی کچھ زمین دبالی ہے۔ مروان نے انھیں عدالت میں طلب کرلیا۔ آپ نے الزام سن کر فرمایا:

”تم میری نسبت یہ گمان کرتے ہو کہ میں نے اس کی زمین کے کچھ حصے پر قبضہ کرلیا ہے، حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص ایک بالشت بھر زمین پر ظلم سے قبضہ کرے گا، قیامت کے دن اسے ایسی سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔“

مروان نے ان سے قسم کھانے کو کہا۔ آپ کو شدید رنج پہنچا اور وہ زمین چھوڑ دی، تاہم فرمایا:

”الٰہی! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اسے اندھا کردے اور اسے اس زمین میں موت دے یا اسے اس کے گھر کے کنویں میں گرادے اور مسلمانوں پر میرے حق کو بخوبی واضح کردے۔“

اللہ کی قدرت کچھ ہی عرصہ بعد اروی کی بینائی زائل ہوگئی اور پھر اسی حالت میں وہ ایک دن گھر کے کنویں میں گر کر مرگئی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں یہ ضرب المثل مشہور ہوگئی کہ ”اللہ تجھے اندھا کرے جیسا کہ اروی کو اندھا کیا۔“

آپؓ نے کئی شادیاں کیں، ان سے بہت اولاد ہوئی۔ آپ لمبے قد کے گندمی رنگ کے تھے۔ سر کے بال گھنے اور لمبے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔ آمین

☆☆☆

سچی توبہ

روم کے بادشاہ نے 9 ہجری میں مدینہ منورہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ وہ بہت بڑا لشکر لیے شام کے راستے عرب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا:

''ہم آگے بڑھ کر عرب کی سرحدوں پر رومیوں کا مقابلہ کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے صحابہ کرام کو جنگ کی تیاری کا حکم فرما دیا۔ اس سال بارشیں نہیں ہوئی تھیں، اس لیے قحط کی سی حالت تھی۔ گرمی بھی بہت شدت کی تھی۔ دوسری طرف اہل مدینہ کی روزی کا انحصار کھجوروں کی فصل پر تھا۔ وہ پکنے کے بالکل قریب تھیں۔ اس موسم میں وہ باہر نہیں جا سکتے تھے، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنتے ہی سوائے چند منافقوں اور معذور مسلمانوں کے سب کے سب دل و جان سے جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

البتہ منافقین اور معذور مسلمانوں کے علاوہ تین سچے مسلمان بھی ایسے تھے جو کسی عذر کے بغیر اس لڑائی میں شریک نہیں ہوئے، حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور

مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم۔ ان کے غزوہ میں شرکت نہ کرنے کا سبب یہ نہیں تھا کہ ان کے دلوں میں نفاق تھا، بلکہ محض سستی اور کاہلی نے انھیں غزوہ میں شرکت کی سعادت سے محروم رکھا۔

حضرت کعب بن مالک ان دنوں بہت آسودہ حال تھے۔ سفر کے لیے انھوں نے دو اونٹنیاں بھی خرید لی تھی، دوسرا سامان بھی تیار کرلیا تھا، لیکن جب اسلامی لشکر کوچ کرنے لگا تو بس اس وقت سستی اور کاہلی ان پر سوار ہوگئی۔ انھوں نے سوچا، ایسی بھی کیا جلدی ہے، کل روانہ ہوجاؤں گا اور لشکر سے جاملوں گا۔ دوسرے دن بھی سستی غالب آ گئی اور وہ روانہ نہ ہوسکے، لہٰذا سوچا، خیر کوئی بات نہیں، کل روانہ ہوجاؤں گا اور لشکر سے جاملوں گا۔ غرض اس طرح کئی دن گزر گئے اور وہ روانہ نہ ہوسکے، یہاں تک کہ انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک پہنچنے کی خبر ملی۔ اس وقت تیس ہزار جاں نثار آپ کے ساتھ تھے، لیکن حضرت کعب اور دوسرے دونوں صحابہ ان میں نہیں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت کعب سے بہت انس تھا۔ تبوک پہنچ کر خاص طور پر ان کے بارے میں پوچھا:

''کعب نظر نہیں آ رہے، کیا بات ہے؟''

ایک صحابیؓ نے کہا:

''اللہ کے رسول! کعب کو اس کے مال اور جمال نے روک لیا۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس بات کے جواب میں کہا:

''اللہ کے رسول! جہاں تک ہمیں علم ہے، کعب اچھا آدمی ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ آپ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو بعض لوگوں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کے حیلے بہانے سجھائے کہ یہ کہہ دینا، یہ کہہ دینا، حضور درگزر فرمائیں گے، لیکن حضرت کعب نے اپنے دل میں سوچ لیا تھا کہ اپنی خطا کا صاف اقرار کرلیں گے، کوئی بہانہ ہرگز نہیں بنائیں گے۔

80 کے قریب اور لوگ بھی تھے جو تبوک نہیں گئے تھے۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اپنے عذر بیان کیے۔ آپؐ نے ان سب کو معاف کردیا۔ حضرت کعب حاضر ہوئے تو آپؐ نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا، پھر پوچھا:

''کعب! تم غزوہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے، بیمار تھے یا سامان نہیں تھا؟''

انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! مجھے کوئی عذر نہیں تھا، بالکل تندرست اور توانا تھا، سامان سفر بھی تیار تھا، صرف نفس کی سستی نے مجھے جہاد میں شرکت سے محروم کردیا۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''تم نے سچ کہا، اب گھر جاؤ اور اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔''

یہی صورت حضرت مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو منع کردیا کہ کوئی ان تینوں سے بات نہ کرے۔

حضرت کعبؓ واپس آئے تو ان کی قوم کے بعض افراد نے کہا:

’’تم نے اس سے پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، اگر تم کوئی عذر کر دیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور قبول فرما لیتے۔‘‘

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں:

’’میں نے ان لوگوں کی بات رد کر دی۔ اس دن سے مجھے زمین تنگ محسوس ہونے لگی۔ ہر شخص مجھ سے پرہیز کرتا تھا اور یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اگر میں اس حال میں مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو میرا جنازہ بھی نہیں پڑھائیں گے اور خدانخواستہ ہمیشہ مردود رہوں گا۔ غرض میں نے پچاس دن سخت کرب اور مصیبت میں گزارے۔ میرے دونوں ساتھی تو پہلے ہی روز سے اپنے گھروں میں چھپ گئے تھے، میں گھر سے نکل کر مسجد میں جاتا، نماز میں شریک ہوتا۔ حضور کی مجلس میں بھی شریک ہوتا، لیکن نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کوئی بات کرتے نہ دوسرے مسلمان۔

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو آپؐ میری طرف سے منہ پھیر لیتے۔ اس سے مجھے اور زیادہ صدمہ ہوتا۔ ایک دن میں اپنے پڑوسی اور چچا زاد بھائی ابو قتادہ کی دیوار پر چڑھا اور انھیں سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے انھیں قسم دے کر پوچھا:

’’ابو قتادہ! تم خوب جانتے ہو، میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔‘‘

ابو قتادہ اس پر بھی خاموش رہے۔ میں نے تین بار اپنے الفاظ دہرائے تو وہ صرف

اتنا بولے:

''اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔''

یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو آ گئے۔

ایک دن میں مدینہ کے بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک قبطی عیسائی ملا۔ وہ غسان کے بادشاہ کا خط میرے نام لایا تھا۔ خط میں شاہ غسان نے لکھا تھا:

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی ہے، تم میرے پاس چلے آؤ، دیکھنا یہاں تمہاری کیسی عزت ہوتی ہے۔''

یہ خط پڑھ کر میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کہ یہ دن بھی دیکھنا تھا، ایک کافر مجھے راہ حق سے ہٹانے کی جرأت کر رہا تھا، مجھے میرے آقا سے جدا کر دینا چاہتا تھا، میں گھر پہنچا، خط کو آگ میں ڈالا اور رونے لگا۔

اس طرح جب چالیس دن گزر گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ملا:

''اپنی بیوی سے بھی الگ ہو جاؤ۔''

میں نے قاصد سے پوچھا:

''کیا بیوی کو طلاق دے دوں؟''

انھوں نے کہا:

''نہیں! بلکہ اس سے الگ رہو۔''

میں نے فوراً اپنی بیوی کو اس کے گھر بھیج دیا۔ پچاسویں دن میں صبح کی نماز پڑھ کر

اپنے گھر کی چھت پر لیٹا ہوا تھا، زندگی مجھ پر دوبھر ہو چکی تھی، سخت بے چین تھا کہ یکا یک کوہ سلع کی چوٹی سے کسی نے پکار کر کہا:

''کعب! تمھیں بشارت ہو۔''

میں یہ الفاظ سنتے ہی سجدے میں گر گیا، خوشی کی زیادتی سے رونے لگا۔ بعد میں معلوم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد میری اور میرے دونوں ساتھیوں کی معافی کا اعلان فرما دیا تھا اور پہاڑ کی چوٹی سے پکارنے والے نے مجھے اسی کی اطلاع دی تھی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑا دوڑاتے میرے پاس آئے۔ مجھے بشارت دی۔ میں نے اپنے دونوں کپڑے ان کی نذر کر دیے۔ خود کسی سے مانگ کر کپڑے پہنے۔ پھر سیدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں جتنے لوگ موجود تھے، وہ سب کے سب مجھے مبارک دینے کے لیے دوڑ پڑے۔ سب سے پہلے طلحہ نے مبارک باد دی اور مصافحہ کیا۔ میں ان کے اس اخلاق اور گرم جوشی کو کبھی نہیں بھلا سکوں گا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ کے رخِ انور پر بشاشت پھیل گئی اور چہرہ چاند کی طرح چمکنے لگا۔ آپ نے فرمایا:

''کعب! تمہاری زندگی میں ایسا دن کبھی نہیں آیا ہوگا، تمھیں مبارک ہو، اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔''

اس پر حضرت کعب رضی اللہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں اپنی توبہ کو کامل بنانے کے لیے اپنی تمام جائیداد اور مال صدقہ

کرتا ہوں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''نہیں! اس طرح تم تنگی کا شکار ہو جاؤ گے، اپنے مال کا ایک حصہ صدقہ کر دو۔''

حضرت کعب نے خیبر کا حصہ اللہ کے راستہ میں دے دیا اور کہا:

''اللہ نے مجھے میری سچائی کی وجہ سے نجات عطا فرمائی۔ ان شاء اللہ مرتے دم تک راست گوئی (سچائی) کا دامن نہیں چھوڑوں گا۔''

حضرت ہلال اور حضرت مرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی توبہ بھی اسی طرح قبول ہوئی، قرآن کریم میں اس واقعہ کی طرف ان آیات میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

''اور ان تین شخصوں پر بھی جنھیں چھوڑ دیا گیا، یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور جو اپنی جانوں سے بیزار ہو گئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کے سوا کسی کے پاس پناہ نہیں، تو اللہ ان پر مہربان ہوا کہ توبہ کیے رہیں۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (سورہ توبہ)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اسلام لانے کے بعد اللہ نے مجھ پر کوئی ایسا احسان نہیں کیا جس کی وقعت میرے دل میں اس سچائی سے زیادہ ہو جس کا اظہار میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح جھوٹ بولنے والے یعنی منافقین ہلاک ہوئے۔

یہ کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ غضب کے شاعر تھے۔ اسلام لانے سے پہلے

ہی ان کی شاعری کی دھوم مچ چکی تھی۔ بیعتِ عقبہ کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی کوشش سے انھوں نے اسلام قبول کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان سے ان کے اشعار سنا کرتے تھے۔ یہ کافروں کے خلاف اشعار لکھنے میں بہت نمایاں تھے۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں 50ھ کے قریب انتقال فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔ آمین

☆☆☆

نرالی توبہ

بنوقریظہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ معاہدہ یہ تھا کہ اگر مکہ کے مشرکوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو یہ لوگ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ ان کے ساتھ مل کر مکہ کے حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔

اس معاہدے کے بعد خندق کی لڑائی ہوئی، لیکن اس موقع پر بنوقریظہ نے مسلمانوں کا ساتھ دینے سے انکار کردیا، اس طرح اس معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ غزوہ خندق سے فارغ ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غداروں کو مزہ چکھانے کا فیصلہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ پچپن دن جاری رہا۔ آخر بنوقریظہ تنگ آ گئے۔ ان کی ہمت جواب دے گئی۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ ابولبابہ رفاعہ بن منذر کو بھیج دیا جائے تا کہ ان سے مشورہ کرسکیں۔

ان لوگوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو خاص طور اس لیے بلایا تھا کہ ان کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا، بنوقریظہ اور اوس کے بہت پرانے دوستانہ تعلقات چلے آرہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ کو بھیج دیا۔ یہ قلعہ کے اندر گئے تو یہودیوں نے ان کا بہت احترام کیا اور ان سے پوچھا:

''اے ابولبابہ! ہم ہتھیار ڈال کر قلعہ سے نکل آئیں تو کیا خیال ہے، ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔''

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''ہاں! تم لوگ باہر نکل آؤ۔''

ساتھ ہی انھوں نے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ اس اشارے کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ غداری کی بنیاد پر قتل کر دیے جاؤ گے۔

ابولبابہ یہ اشارہ تو کر بیٹھے، لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ یہ تو میں نے مسلمانوں کا جنگی راز فاش کر دیا، اب اگر یہودی مایوسی کے عالم میں کوئی خطرناک قدم اٹھا بیٹھیں یا لڑنے مرنے پر تیار ہو جائیں اور اس طرح مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو اس کی ذمے داری تو مجھ پر ہوگی۔ اس خیال کا آنا تھا کہ کانپ گئے۔ خود کو مجرم خیال کرنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کر بیٹھا ہوں، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، آنکھوں سے بے تحاشا آنسو جاری ہو گئے۔ ان سے ڈاڑھی تر ہو گئی۔ قلعہ سے باہر نکلے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ سیدھے مسجد نبوی پہنچے اور ایک موٹی زنجیر لے کر خود کو مسجد کے ایک ستون سے بندھوالیا۔ اب اللہ کے حضور میں گڑگڑانے لگے:

''اے اللہ میری خطا معاف فرمادے۔''

انھوں نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ صرف نماز اور حاجت وغیرہ کے لیے خود کو کھلواتے۔ فارغ ہوکر اپنی لڑکی کے ذریعہ پھر بندھوالیتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حالت کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''اب تو جو ہونا تھا، ہو گیا، ابولبابہ اگر پہلے میرے پاس آجاتے تو میں اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کرتا۔''

دوسری طرف یہودی ذلیل وخوار ہوئے، کچھ نہ کرسکے، ہتھیار ڈال کر قلعہ سے باہر آگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مردوں کو قتل کروادیا اور عورتوں اور بچوں سے جنگی قیدیوں جیسا سلوک فرمایا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ستون سے بندھے کئی دن گزر گئے۔ اس دوران روتے روتے ان کی آنکھیں سوج گئیں۔ کبھی کبھی ان کی بیٹی ان کے منہ میں ایک کھجور ڈال دیتی یا پانی کا گھونٹ پلادیتی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کھاتے تھے۔ ایک دن تو کمزوری سے بے ہوش ہی ہو گئے۔ اس وقت اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی:

''مسلمانو! تم اللہ اور رسول کے معاملہ میں اور دینی امانتوں میں خیانت نہ کرو، حالانکہ تمھیں اس کا علم ہے اور اچھی طرح جان لو، بے شک تمہارا مال اور اولاد فتنہ ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈروگے تو وہ تمھیں دوسروں

سے نمایاں کردے گا، تمہاری برائیاں دور کردے گا اور تمہاری مغفرت کردے گا اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں تھے۔ وحی نازل ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، آپ نے فرمایا:

"ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا، آپ کی اجازت سے انھوں نے وہیں سے پکار کر فرمایا:

"ابولبابہ مبارک ہو، تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔"

کچھ اور لوگوں نے بھی ام المومنین کی بات سن لی۔ ان کے ذریعہ یہ خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ لوگ جمع ہوکر گروہوں کی صورت میں انھیں مبارک باد دینے کے لیے لپکے۔ ادھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہوش آ گیا۔ لوگ انھیں کھولنے لگے، انھوں نے فرمایا:

"آپ لوگ مجھے نہ کھولیں، جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود مجھ خطا کار کو نہیں کھولیں گے، میں بندھا رہوں گا۔"

آخر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے تشریف لائے اور انھیں کھولا۔ حضرت ابولبابہ آپؐ کے قدموں سے لپٹ گئے اور بولے:

"اللہ کے رسول! میں اپنا سب گھربار اللہ کے راستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ بس

ہمیشہ مجھے اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت دے دیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تین چوتھائی صدقہ کردو۔''

حضرت ابولبابہؓ نے ایسا ہی کیا۔ آپ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ یہ خاندان قبا میں رہتا تھا۔ آپ ہجرت سے پہلے اسلام لائے تھے یعنی جب قبا اور مدینہ منورہ کے لوگ حج کے لیے گئے تھے اور عقبہ کی گھاٹی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو اسلام کی دعوت دی تھی، یہ ان خوش نصیب لوگوں میں شامل تھے اور وہیں ایمان لائے تھے۔ ہجرت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرنے والوں میں یہ بھی شریک تھے۔ قبا میں قیام کے دوران حضرت ابولبابہؓ نے اس قدر خلوص اور ایثار سے کام لیا کہ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد حاصل ہوگیا۔ قبا کے مقام پر ہجرت کر کے آنے والے بہت سے مسلمانوں کو انھوں نے اپنے گھر میں مہمان ٹھہرایا تھا۔ ان کی خوب میزبانی کی تھی، غزوہ بدر کے موقع پر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی، ابھی لشکر راستے میں تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ منورہ بھیج دیا۔ آپ اس طرح اگرچہ بدر کی لڑائی میں حصہ نہ لے سکے، لیکن آپ نے انھیں بدری صحابہ میں شمار فرمایا، مال غنیمت میں سے حصہ بھی عطا فرمایا۔

غزوہ بدر کے بعد آپ نے احد، خندق، خیبر اور دوسرے غزوات میں شرکت کی۔ ہر

معرکہ میں تلوار کے خوب جوہر دکھائے۔ بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ میں شریک تھے۔ اس روز قبیلہ انصار عمرو بن عوف کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد غزوہ حنین، طائف اور تبوک میں مجاہدانہ شرکت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کافی عرصہ حیات رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی سرگرمیوں کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دور انھوں نے خاموشی کے ساتھ اللہ کی یاد میں گزارا۔ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر خاص طور پر عمل کرنے کا شوق تھا۔ معمولی سے معمولی بات میں بھی آپ کی پیروی کرتے تھے۔ بڑے بڑے صحابہ ان کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ آمین

☆☆☆

بڑے عالم

مدینہ منورہ میں یہود کے کئی علماء تھے۔ یہود کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ تورات اصل حالت میں تو باقی نہیں رہی تھی، جو کچھ بچا کچھا حصہ تھا اس میں انھوں نے خاص تبدیلی کردی تھی، پھر بھی آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض نشانیاں اس میں لکھی باقی رہ گئی تھیں...... یہود کے عالموں میں سے ایک عالم سب سے بڑے سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے تورات میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں پڑھ رکھی تھیں، چنانچہ وہ مدینہ کے لوگوں سے کہتے رہتے تھے:

''لوگو! آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔''

نبوت کے گیارہویں سال حج کے موقع پر بنو خزرج کے چھ نیک انسان اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے۔ جب یہ لوگ مکہ سے مدینہ آئے تو انھوں نے انھیں بتایا کہ جس نبی کی تم باتیں کرتے رہے ہو، ان کا ظہور ہو چکا ہے، وہ مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے ہیں اور ہم لوگ ان پر اپنی خوشی سے ایمان لے آئے ہیں۔

انھوں نے تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو علامات پڑھی تھیں، ان کے مطابق

سوالات کیے، اور انھیں فوراً یقین آ گیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر تورات میں ہے۔ اب تو وہ دن رات بے چین رہنے لگے۔ آخر 13 ہجری میں نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ انھیں کسی نے خبر کر دی کہ اللہ کے رسول تشریف لے آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی انھوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ان کا نعرہ سن کر ان کی پھوپھی نے کہا:

''ان صاحب کے آنے سے تمھیں اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شاید موسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لے آتے تو تم اتنے خوش نہ ہوتے۔''

یہ سن کر وہ بولے:

''پھوپھی جان! اللہ کی قسم! یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور اسی مقصد کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں جس مقصد کے لیے موسیٰ علیہ السلام آئے تھے''

پھوپھی نے کہا:

''بھتیجے! کیا یہ واقعی وہ نبی ہیں جن کی تورات اور دوسری آسمانی کتابوں میں خبر دی گئی ہے؟''

انھوں نے فوراً کہا:

''بے شک یہ وہی ہیں۔''

اس پر پھوپھی نے کہا:

''تب تو یہ ہماری بہت خوش قسمتی ہے کہ اللہ کے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) خود

ہمارے شہر میں تشریف لے آئے ہیں۔''

اس گفتگو کے بعد وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھوپھی بھی ساتھ تھیں، اس طرح دونوں ایمان لے آئے۔

یہ ایمان لانے والے خوش قسمت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی پھوپھی حضرت خالدہ بنت حارث رضی اللہ عنہا تھیں۔ اب ان کی خواہش تھی کہ ان کا سارا گھر اسلام قبول کر لے، انھوں نے گھر کے افراد کو اسلام کی دعوت دی، سب لوگ اسلام لے آئے۔

خود حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ذکر سنا تھا، میں آپ پر غائبانہ ایمان لا چکا تھا، لیکن میں نے اپنے ایمان کو یہودیوں سے پوشیدہ رکھا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ آپ ہی نبی آخر الزمان ہیں تاہم مزید اطمینان کے لیے میں نے آپ سے تین سوال پوچھے:

''علامات قیامت میں سے پہلی علامت کون سی ہے؟''

''اہل جنت کو پہلی چیز کھانے کی کیا ملے گی؟''

''وہ کون سا سبب ہے جس کی وجہ سے بچہ کبھی ماں کی شکل پر ہوتا ہے اور کبھی اپنے باپ کی شکل پر۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سوال کا جواب یہ فرمایا:

''وہ ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہنکا لے جائے گی۔

دوسرے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا ''مچھلی کا جگر کھلایا جائے گا'' تیرے سوال کا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی شافی جواب دیا۔

تینوں سوالات کے جوابات سنتے ہی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے، پھر انھوں نے کہا:

''اللہ کے رسول! میں اپنی قوم یہود کا سردار ہوں، ان کے سردار کا بیٹا ہوں۔ میری قوم مجھے عالم مانتی ہے۔ میرے باپ کو بھی عالم مانتی تھی، وہ میرا بہت احترام کرتی ہے، لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری قوم کے لوگ سخت جھوٹے ہیں، آپ میری قوم کے بڑے بڑے لوگوں کو بلائیے، میں یہاں ایک طرف چھپ جاؤں گا، میرے اسلام لانے کا ذکر کیے بغیر آپ ان سے میرے بارے میں پوچھیے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجویز پر ان کی قوم کے بڑے لوگوں کو بلوایا، پھر ان سے فرمایا:

''اے لوگو! میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، پس تم میری دعوت قبول کرلو۔''

یہودیوں کے بڑوں نے جواب دیا:

''ہم اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے، ہم جس طریقے پر ہیں، وہی ہمارے لیے بڑا ہے۔''

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اچھا یہ بتاؤ، حصین بن سلام تم میں کس پائے کے آدمی ہیں؟'' (حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا نام اسلام لانے سے پہلے حصین تھا)

جواب میں انھوں نے فوراً کہا:

''وہ ہم سب میں اچھے ہیں اور سب سے اچھے فرزند ہیں، ہمارے سردار ہیں، ہم میں ان کے برابر کا کوئی عالم نہیں، ان سے زیادہ کوئی احترام کے قابل نہیں۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جواب سن کر فرمایا:

''اچھی بات ہے، اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو تم ان کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان ہو جاؤ گے؟''

جواب میں وہ پکار اٹھے:

''اللہ نہ کرے کہ وہ مسلمان ہوں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آواز دی۔ وہ وہیں ایک کونے میں چھپے ہوئے تھے۔ بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے۔ پھر یہودیوں سے بولے:

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو، تمھیں خوب معلوم ہے، یہ اللہ کے رسول ہیں، ان کا دین سچا ہے، پھر بھی تم ایمان لانے سے انکار کر رہے ہو۔''

یہ سن کر یہودی بپھر گئے۔ چیخ کر بولے:

''تم جھوٹے ہو، ہماری قوم کے بدترین آدمی کے بیٹے ہو۔''

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مڑے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ نے دیکھا، مجھے ان کی طرف سے اسی فضول بات کی امید تھی۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آج سے تم حصین کے بجائے، عبداللہ ہو۔''

چنانچہ یہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے دو بھتیجوں کو پرخلوص انداز میں اسلام کی دعوت دی تو ان میں سے ایک نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان کا نام سلمہ تھا۔

اسلام لانے کے بعد آپ اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہنے لگے، یہاں تک کہ آپ کے قریبی صحابہ میں شمار ہونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

''عبداللہ بن سلام اہل جنت میں سے ہیں۔''

حضرت عبداللہؓ میں عاجزی اور انکساری بہت تھی۔ ایک بار آپ نے ایک خواب دیکھا۔ اپنا خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی تعبیر ارشاد فرمائی:

''عبداللہ! تم مرتے دم تک اسلام پر قائم رہو گے۔''

ایک بار آپ لکڑیوں کا گٹھا کمر پر لادے بازار میں جا رہے تھے چونکہ اپنے قبیلہ کے رئیس تھے اور اللہ نے دولت سے بھی نوازا تھا۔ اس لیے لوگ انھیں اس حالت میں دیکھ کر حیران ہوئے۔ کسی نے کہا:

''عبداللہ! اللہ نے آپ کو اتنا کچھ دے رکھا ہے، پھر یہ لکڑیاں آپ نے کسی مزدور سے کیوں نہ اٹھوائیں؟''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''میں اپنے نفس کو غرور سے پاک رکھنا چاہتا ہوں، میں نے اللہ کے رسول سے سنا ہے، جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

آپ نے غزوہ خندق میں اور اس کے بعد باقی غزوات میں شرکت کی۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ آپ غزوہ بدر اور احد میں شرکت نہ کر سکے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جب فساد برپا کرنے والوں نے بغاوت کی اور آپ کے گھر کو گھیر لیا تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے، ان سے کہا:

''یہ لوگ آپ کو قتل کرنے پر تلے ہیں، آپ مجھے حکم فرمائیں، میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''جا کر ان لوگوں کو سمجھاؤ۔''

انھوں نے باہر آ کر ان فسادیوں کے سامنے پر اثر انداز میں تقریر کی لیکن ان پر کوئی

اثر نہ ہوا، ان کے دل پتھر ہو چکے تھے۔ اور آخر کار ان لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے چھوڑا۔

اس پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آہ! آج عرب کی فوج کا خاتمہ ہو گیا۔'' اس کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گئے۔

آپؓ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں 43 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اہل کتاب کے سب سے بڑے عالم تھے۔''

اللہ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔ آمین

☆☆☆

روشن چھڑی

احد کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک کمان عطا کی تھی، جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوئے اور دشمنوں پر اس کمان سے تیر چلانے لگے۔ انھوں نے اس روز اس کمان سے اتنے تیر چلائے کہ وہ تیر چلانے کے قابل نہ رہی۔ پھر بھی یہ برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کرتے رہے۔ جب مشرکوں کی طرف سے کوئی تیر یا پتھر آتا تو یہ خود کو سامنے کر دیتے، ایسے میں ایک تیر ان کی آنکھ میں لگا۔ ان کی آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل کر ہتھیلی پر آ گرا۔ انھوں نے اسی حالت میں ڈھیلا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا۔ ان کی حالت دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا:

''اے اللہ! قتادہ نے تیرے نبی کا بچاؤ اپنا چہرہ سامنے کر کے کیا ہے، تو اس کی آنکھ کو اچھا کر دے اور اس کی نظر کو تیز کر دے۔''

یہ فرمایا اور اس ڈھیلے کو اٹھا کر آپؐ نے اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اللہ کی قدرت کہ آنکھ

بالکل درست ہوگئی، بلکہ پہلے کی نسبت زیادہ روشن ہوگئی اور زندگی بھر اس میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

ایک رات آسمان پر گہرے بادل چھا گئے۔ مدینہ منورہ پر گہری تاریکی چھا گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نکلے تو ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔اس تاریکی کے عالم میں لوگوں نے گھروں میں ہی نماز ادا کرلی تھی، لیکن مسجد کے ایک کونے میں ایک صاحب موجود تھے۔بجلی چمکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ لیا اور فرمایا:

''قتادہ! کیا تم ہو؟''

انھوں نے فوراً عرض کیا:

''جی اللہ کے رسول! میں نے سوچا، اس تاریکی میں جب کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا، بہت کم لوگ نماز کے لیے مسجد میں آئیں گے، لہٰذا ہمت کر کے چلا آیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جذبے سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

''اچھا! جب تم نماز سے فارغ ہوکر جانے لگو تو مجھ سے مل کر جانا۔''

یہ نماز سے فارغ ہوئے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آپؐ نے انھیں کھجور کی ایک ٹیڑھی ٹہنی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا:

''یہ ٹہنی لے لو، یہ تمہارے آگے اور پیچھے دس دس ہاتھ تک روشنی ڈالے گی۔''

جب یہ گھر کی طرف چلے تو ٹہنی روشن ہوگئی، جیسے کوئی قندیل روشن ہو جائے۔اس کی روشنی میں وہ نہایت اطمینان سے گھر پہنچے۔

حضرت قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنوظفر سے تھا۔
مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ان کے سوتیلے بھائی تھے۔ آپؓ بیعت
عقبہ سے کچھ پہلے یا بعد ایمان لائے۔

غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ احد کی لڑائی کا حال تو آپ ابھی پڑھ ہی چکے ہیں۔
بدری صحابہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ غزوہ احد کے بعد آپ
غزوہ خندق اور دوسرے غزوات میں شریک رہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ دس ہزار
صحابہ کے مقدس گروہ میں شامل تھے۔ اس وقت ان کے قبیلے کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں
تھا۔

فتح مکہ کے بعد حنین کی خونریز لڑائی ہوئی، یہ لڑائی بنوہوازن اور بنوثقیف کے جنگ
جو قبائل سے ہوئی تھی، ان بدبختوں نے بہت سے مسلمانوں کو شہید کر کے طائف میں مکہ
والوں کی جاگیروں اور باغات پر قبضہ کرلیا تھا اور کچھ دوسرے قبیلوں کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔
اس طرح یہ لوگ ایک بڑے لشکر کی صورت مکہ کی طرف بڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کو اطلاع ملی تو آپؐ بارہ ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے نکلے۔ ایسے
میں لشکر کی بڑی تعداد دیکھ کر کچھ مسلمانوں کے منہ سے بے خیالی میں یہ الفاظ نکل گئے:

آج کے دن ہمیں کون شکست دے سکتا ہے؟''

اللہ تعالیٰ کو یہ الفاظ پسند نہ آئے، چنانچہ جونہی اسلامی لشکر حنین کی وادی میں داخل
ہوا، وادی کے دونوں طرف چھپے ہوئے دشمن نے ان پر تیروں کی بارش کردی، بنوہوازن

یوں بھی غضب کے تیرانداز تھے۔ان کے تیروں نے مسلمانوں پر قیامت ڈھادی۔ پھر وہ اپنی جگہوں سے نکل کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ اگلے دستے میں زیادہ تعداد مکہ کے نئے مسلمانوں کی تھی۔ وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹے۔اس سخت وقت میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح جم کر کھڑے ہو گئے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مختصر سی جماعت آپؐ کے گرد کھڑی ہوگئی اور آپؐ کا بچاؤ کرنے لگی۔ اس مختصر سی جماعت میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔آپؐ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''مہاجرین اور انصار کو آواز دیں۔''

انھوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور مہاجرین اور انصار کو پکارا۔بس اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ مسلمان پلٹ پڑے اور میدان جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔حضرت قتادہؓ اس دن بھی غزوہ احد کی طرح جم کر لڑے۔

روم کے حاکم شرحبیل غسانی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو قتل کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انتقام لینے کے لیے تین ہزار صحابہ کا لشکر روانہ فرمایا۔لشکر کے سپہ سالار حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ تھے۔رومی مقابلے میں دو لاکھ کے قریب فوج لے آئے۔اتنی بڑی فوج کے ساتھ صرف تین ہزار صحابہ ٹکرا گئے۔زید بن حارث کی شہادت کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی، ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ میدان میں آئے، ان کی

شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی اور اپنے لشکر کو مشکل حالات سے نکال لانے میں کامیاب ہوئے۔

اس لڑائی کا بدلہ لینے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام، یعنی 11 ہجری میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی قیادت میں لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر میں تمام بڑے صحابہ شامل تھے۔ انھی میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید علالت کی وجہ سے اس لشکر کو مدینہ کے باہر رک جانا پڑا... یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے اور لشکر کو واپس آنا پڑا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تقریباً گیارہ سال حیات رہے۔ ان کی زندگی کے اس دور کے بارے میں تاریخ کی کتب میں تفصیلات نہیں ملتیں۔

آپؓ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں 65 سال کی عمر میں وفات پائی۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

علمی لحاظ سے آپ کا مقام بہت بلند ہے، اکثر صحابہ ان سے دینی مسائل پوچھتے تھے۔

اللہ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔ آمین

☆☆☆

قسم کھانے والے

مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے اردگرد قریباً ایک لاکھ آدمی جمع کر لیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے خاتمہ کے لیے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کی فوج کی بھاری تعداد کی اطلاعات ملیں تو انھوں نے حضرت عکرمہؓ کے پیچھے ان کی مدد کے لیے حضرت شرحبیلؓ کو روانہ فرمایا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے شجاعت کے جوش میں ان کا انتظار نہ کیا اور مسیلمہ سے جنگ شروع کر دی، لیکن ان کے پاس بہت تھوڑی سی فوج تھی۔ جب کہ مسیلمہ کے پاس ایک لاکھ سے زیادہ فوج تھی۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو پسپا ہونا پڑا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس پسپائی کی اطلاع ملی تو آپ عکرمہ رضی اللہ عنہ کی جلد بازی پر سخت ناراض ہوئے اور حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم یمامہ جا کر خالد بن ولید کے ساتھ مل جاؤ اور مسیلمہ سے لڑو۔ حضرت خالدؓ بن ولید ان دنوں مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے۔ شرحبیل رضی اللہ عنہ سے بھی وہی غلطی ہوگئی جو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ پر حملہ کر دیا

اور بہت کم تعداد میں ہونے کی وجہ سے انھیں بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ آخر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مہاجرین اور انصار کی ایک فوج کے ساتھ بطاح تک آ گئے۔

اس فوج میں حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب مسلمان ہر طرف سے بطاح پہنچ گئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسیلمہ کی طرف بڑھے۔ اس وقت مسیلمہ کے پاس ایک بڑی فوج تھی جب کہ مسلمان صرف تیرہ ہزار تھے۔

عقرباء کے میدان میں دونوں لشکروں کے درمیان زبردست معرکہ ہوا۔ مرتدوں کا دباؤ اس قدر تھا کہ مسلمانوں کی صفیں ٹوٹی جا رہی تھیں، مسیلمہ کے فوجی بھی کٹ کٹ کر گر رہے تھے، اس دوران کئی بڑے صحابہ کرام قربان ہو گئے۔ اس نازک موقع پر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت براءؓ بن مالک میدان کارزار کا رخ کرتے تو ان کے بدن پر شدید لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اس لرزے پر قابو پانے کے لیے کئی آدمی انھیں دبا لیتے تھے، تب یہ لرزہ دور ہوتا تھا۔ اس وقت ان میں بلا کی قوت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ میدان جنگ میں آ کر شیر کی طرح بپھر جاتے تھے۔ اس روز بھی یہی ہوا۔ مسلمانوں کو خطرے میں دیکھ کر ان پر جوش سوار ہو گیا، پھر لرزے سے فارغ ہو کر وہ میدان میں پہنچ کر للکارے:

”اے مسلمانوں کے گروہ کہاں جاتے ہو؟ میں براء بن مالک ہوں، میری طرف آؤ۔“

ان کی للکار پر مسلمانوں نے پھر سے قدم جما لیے اور اس قدر جوش سے حملہ کیا کہ

دشمن کے پاؤں اکھڑتے نظر آئے، ایسے میں ایک بڑا جنگجو للکارتا ہوا حضرت براءؓ بن مالک کے سامنے آ گیا۔ وہ بہت قد وقامت والا تھا۔ حضرت براءؓ بن مالک نے اس کے پاؤں پر وار کیا۔ اپنا پاؤں بچانے کی کوشش میں وہ دھڑام سے گرا۔ حضرت براء بن مالک نے اپنی تلوار کو میان میں ڈالا اور اس کی تلوار چھین کر ایسی ضرب لگائی کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔

لڑائی اب پورے زوروں پر تھی۔ میدان جنگ کا بغور جائزہ لینے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اندازہ لگایا کہ جب تک مسیلمہ نہیں مارا جاتا، لڑائی کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے جانبازوں کا ایک دستہ ساتھ لیا اور دشمن پر ایک طوفانی حملہ کیا اور مرتدوں کی صفوں کو درہم برہم کرتے مسیلمہ کی طرف بڑھے... حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی اس دستے میں شامل تھے۔ مسیلمہ نے جب دیکھا کہ مسلمان اس کے سر پر پہنچنا چاہتے ہیں تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ اس کی فوج بھی پیچھے کی طرف بھاگی... اس کی پشت پر ایک قلعہ نما باغ تھا۔ ساری فوج، مسیلمہ سمیت اس باغ میں گھس گئی اور قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اس کا دروازہ بہت بڑا اور مضبوط تھا، اس کو توڑ ڈالنا ممکن نہیں تھا، دوسری طرف مرتد مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر رہے تھے۔ اس سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچ رہا تھا... ان حالات میں حضرت ابو دجانہ اور براء بن مالک رضی اللہ عنہما نے کہا:

”مسلمانو! تم ہمیں جھولا دے کر اندر کی طرف اچھال دو، اس طرح ہم قلعہ کے دروازے کے پاس اندر جا گریں گے اور دروازہ کھول دیں گے۔“

یہ ترکیب اگر چہ عمل کے قابل نہیں تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ یہ دونوں حضرات شہید کر دیے جائیں گے، لیکن انھوں نے اپنے ساتھیوں کو اتنا مجبور کیا کہ انھوں نے انھیں اندر اچھال دیا۔۔ یہ اندر گرے اور مرتدوں سے لڑتے ہوئے دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ مسلمان نعرے لگاتے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور مرتدوں پر ٹوٹ پڑے۔

ایسے میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے اپنا نیزہ تاک کر مسیلمہ کی طرف کھینچ مارا۔ وہ اس کے جسم کے آر پار ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی مرتدوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ان کے ہزار ہا آدمی کاٹ کر رکھ دیے گئے۔ مسلمانوں کا نقصان بہت کم ہوا جب کہ مرتدوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ اس لڑائی میں حضرت براءؓ بن مالک زخموں سے چور چور ہو گئے۔ شان دار فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید ان کے علاج کے لیے وہاں رکے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت براءؓ صحت یاب ہو گئے۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا تعلق خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک کے بھائی تھے۔ ان کا باپ مشرک تھا اور شرک کی حالت میں قتل ہوا۔۔ آپ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے یا بعد میں ایمان لائے، چونکہ یتیم تھے، نادار تھے، اس لیے اصحاب صفّہ میں شامل ہو گئے۔ اس چبوترے پر ان جیسے دوسرے صحابہ دین سیکھتے اور سکھاتے تھے۔ آپ اصحاب صفّہ میں کب شامل ہوئے، اس بارے میں مورخوں نے کچھ نہیں لکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں

حد درجے محبت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ انھوں نے غزوہ احد سے لے کر غزوہ تبوک تک ہر معرکے میں حصہ لیا۔ البتہ کسی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو مسیلمہ کذاب والا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد ایران اور شام سے جنگیں شروع ہو گئیں۔ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی مجاہدین اسلام میں شامل رہے اور زندگی کے آخری سانس تک جہاد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں شیر جیسا دل عطا فرمایا تھا۔ بلا کے جری اور دلیر تھے۔ اس قدر بے خوف ہو کر لڑتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں بلا کہہ کر پکارتے تھے اور وہ تھے بھی دشمن کے لیے بلا۔

ایک بار مسلمانوں نے عراقِ عرب کے ایک قلعہ حریق پر حملہ کیا۔ یہ قلعہ بہت مضبوط تھا۔ حریق والوں نے قلعہ کے دروازے بند کر لیے۔ اس کی دیواروں پر کانٹے دار زنجیریں لٹکا دیں۔ کوئی مسلمان مجاہد دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو اسے زنجیروں سے اوپر کھینچ لیا جاتا۔ ایک دن ان کے بھائی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے شجاعت کے جوش میں دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی۔ قلعہ والوں نے انھیں زنجیروں میں جکڑ لیا اور لگے اوپر کھینچنے۔ سیدنا براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو بھائی کو بچانے کے لیے دیوانہ وار دوڑ پڑے اور زنجیر کو پکڑ کر اس زور کا جھٹکا دیا کہ وہ قلعہ والوں کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے، چونکہ ابھی زیادہ بلندی پر نہیں گئے تھے، اس لیے کوئی خاص چوٹ بھی نہ آئی۔ لیکن زنجیروں کے کانٹوں سے

حضرت براء رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا گوشت اتر گیا اور ہڈیاں نکل آئیں، تاہم انھیں اپنے زخمی ہونے کا غم نہیں تھا۔ بھائی کے موت کے منہ سے نکل آنے کی خوشی تھی اور بار بار اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ اس واقعہ کے بعد مسلمان بہت احتیاط سے کام لینے لگے۔ آخر کار ایک دن انھوں نے قلعہ پر اس زور کا حملہ کیا کہ قلعہ والے حوصلہ ہار بیٹھے اور انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ مسلمان فاتحانہ انداز میں اندر داخل ہوئے اور قلعہ کے سب سے اونچے برج پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر تھے۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اسلام کے سرفروشوں کے ساتھ ان کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ شاہ ایران نے ان کے مقابلے پر ہرمزان کو حکم دیا کہ وہ جا کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ ہرمزان ایران کے شاہی خاندان سے تھا۔ جنگ جو تھا اور ذہین بھی۔ وہ ایک زبردست لشکر لے کر خوزستان کے صدر مقام تستر آیا۔ اس نے تستر کے قلعہ کے گرد خندق کھدوائی اور ہر طرح سے قلعہ کو مضبوط بنا دیا۔ ادھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تستر کی طرف بڑھے۔ مجاہدین اسلام میں حضرت برا بن، مالک اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حضرت براءؓ بن مالک کو فوج کے ایک حصے کا سالار مقرر فرمایا اور حضرت انسؓ بن مالک کو سواروں پر افسر مقرر فرمایا۔ ہرمزان نے اپنی فوجی طاقت کے بل پر قلعہ سے نکل کر حملہ کیا، مجاہدین اسلام ہتھیلی پر سر رکھ کر لڑے اور ہرمزان شکست کھا کر قلعہ میں جا گھسا، اب جب

وہ چاہتا قلعہ سے نکل کر اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیتا، مسلمان بھی ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرتے، اس قسم کے مقابلوں میں حضرت براءؓ بن مالک نے دشمن کے سو آدمی ہلاک کیے۔ اس کے علاوہ اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ مل کر انھوں نے بے شمار ایرانیوں کو قتل کیا۔ ایک دن دشمن نے باہر نکل کر مسلمانوں پر بہت شدید حملہ کیا۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مسلمانوں کو حضرت براءؓ بن مالک کے بارے میں اللہ کے رسول کی بات یاد تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ان کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

''بہت سے گرد آلود آدمی دو پرانی چادروں والے، لوگوں کے نزدیک تو بالکل حقیر ہیں، لیکن جب قسم کھا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں اور براء بھی ایسے ہی آدمیوں میں سے ہیں۔''

جونہی انھیں یہ بات اس موقع پر یاد آئی، حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ سے درخواست کی:

''آج آپ قسم کھائیں کہ اللہ ہمیں فتح دے گا۔''

حضرت براءؓ نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے... اور بولے:

''اے اللہ! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو فتح عطا فرما، کفار کے ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دے دے اور مجھے میرے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت نصیب فرما۔''

اس دعا کے بعد دشمن پر ٹوٹ پڑے، جو سامنے آتا گیا، اسے کاٹتے چلے گئے۔ شجاعت کے جوہر دکھاتے قلعہ کے دروازے تک جا پہنچے۔ یہاں ہرمزان خود ان کے

مقابلے پر آ گیا۔ وہ سر سے لے کر پیر تک لوہے میں غرق تھا اور بالکل تازہ دم تھا، کیونکہ اب تک اس نے خود لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ دونوں میں زبردست مقابلہ ہوا، حضرت براء رضی اللہ عنہ کو ایک کاری زخم لگا اور اللہ کا یہ جانباز مجاہد جام شہادت پی کر اس کی بارگاہ میں پہنچ گیا، لیکن اللہ کے اس شیر کی شہادت رنگ لائی، مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوئی۔ تستر کا قلعہ فتح ہوا، ہرمزان گرفتار ہوا۔ بعد میں ہرمزان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اسلام قبول کیا۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا ہے۔ انھوں نے تمام زندگی میدان جہاد میں گزار دی۔

اللہ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ آمین

☆☆☆

میرے لیے بھی پانی لاؤ

مرتدوں کے خلاف جنگ پورے زوروں سے لڑی جارہی تھی۔ اس معرکہ میں حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، وہ اس قدر جوش وخروش اور ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے کہ تن بدن کا ہوش نہیں تھا۔ زخم پر زخم کھاتے چلے جارہے تھے اور تلوار چلا رہے تھے۔ مرتدوں کی لاشوں پر لاشیں گرارہے تھے۔

ان کی زبان پر ہر وقت ایک دعا رہتی تھی، اس لڑائی سے پہلے بھی انھوں نے یہ دعا کی تھی:

''الٰہی! مجھ پر اس وقت تک موت وارد نہ فرمانا جب تک کہ میرے جسم کا ایک ایک بند تیرے راستے میں زخموں سے چور نہ ہو جائے۔''

اور اس وقت ان کی یہی حالت تھی۔ بدن زخموں سے چور چور تھا، جسم کا کوئی بند ایسا نہیں تھا جس پر زخم نہ ہو، اس حالت میں بھی نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ آخر زخم پر زخم کھا کر گر پڑے... لوگ انھیں میدان جنگ سے اٹھا لائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کا حال پوچھنے آئے تو حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''کیا آپ روزہ افطار کر چکے؟''

انھوں نے جواب دیا:

''ہاں! افطار کر چکا ہوں۔''

تب حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرے لیے بھی پانی لاؤ۔''

اس وقت باقی لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ روزے سے تھے اور روزے کی حالت میں اس جانبازی سے لڑتے رہے تھے۔ زخموں نے بالکل نڈھال کر دیا تھا، لیکن روزہ توڑنا اس حالت میں بھی گوارا نہ کیا۔

لوگ ان کے لیے پانی لانے کے لیے دوڑ پڑے۔ ادھر وہ پانی لے کر خیمے میں داخل ہوئے، ادھر ان کی روح پرواز کر گئی۔

اس وقت ان کی عمر 41 سال تھی۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو عامر بن لوئی سے تھا۔ نہایت بہادر اور شریف انسان تھے، ہوش سنبھالا تو مکہ کے لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے سنا، اسلام کی دعوت کانوں میں پڑی۔ انھوں نے لوگوں کو کہتے سنا:

''تم نے کچھ سنا... عبدالمطلب کا پوتا کہتا ہے، میں اللہ کا رسول ہوں، بت عبادت کے لائق نہیں، ایک اللہ کی عبادت کرو، وہی ہر ایک کو رزق دیتا ہے، وہی سب کے نفع و نقصان کا مالک ہے۔''

عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سنیں، انھوں نے اگرچہ شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں نیک فطرت عطا کی تھی... یہ باتیں سن کر

انھوں نے اپنے آپ سے کہا:

''اگر محمد ایسا کہتے ہیں تو پھر لوگ ان کی باتوں پر یقین کیوں نہیں کر لیتے؟ ابھی چند دن پہلے تک تو یہی اہل مکہ ان کی پاک بازی، امانت، دیانت اور صداقت کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے، اب اتنی سی بات پر ان کی ساری باتیں انھوں نے بھلا دیں، یہ کیا بات ہوئی؟ محمد کسی بھوکے ننگے خاندان سے تو ہیں نہیں، انھیں جھوٹ گھڑنے کی کیا ضرورت ہے بھلا، محمد بھی سچے ہیں اور محمد کا اللہ بھی سچا ہے۔ میں تو ضرور ان پر ایمان لاؤں گا۔''

حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ تو کر لیا لیکن چاروں طرف دیکھا تو مخالفتوں کے طوفان کھڑے نظر آئے، جو لوگ اس وقت تک مسلمان ہو چکے تھے، ان پر خوفناک مظالم توڑے جا رہے تھے، قریش مکہ نے ان کا جینا حرام کر رکھا تھا، انھوں نے یہ حالات دیکھ کر غور کیا تو اندر سے آواز آئی:

''ظلم و ستم کے طوفانوں سے گھبرا کر حق سے آنکھیں چرانا بہادری نہیں، بزدلی ہے، آگے بڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لو۔''

چنانچہ یہ آگے بڑھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے۔ اب وہ صحابہ کی اس جماعت کے ساتھی تھے جو سب سے پہلے ایمان لائی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کی خبر مکہ کے مشرکوں پر بجلی بن کر گری۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن مخرمہ سے اسلام چھڑانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ طرح طرح کے لالچ دیے، جب یہ لالچ کسی کام نہ آئے تو ظلم و ستم پر اتر

آئے۔ انھیں مارا پیٹا، ان کا مذاق اڑایا۔ غرض جو کچھ ہو سکا، انھوں نے کیا۔ لیکن یہ پکے رہے، اسلام پر ڈٹے رہے، جب مشرکین کا ظلم حد سے گزرا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلا کر فرمایا:

''موقع ملے تو تم بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ چلے جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ رحم دل ہے، انصاف پسند ہے۔ امید ہے کہ وہاں امن سے رہو گے۔''

عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ اس ہجرت میں 83 مرد اور 20 عورتیں شامل تھیں۔ کفار نے اس قافلہ کو روکنے کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی حفاظت فرمائی اور یہ قافلہ خیریت سے حبشہ پہنچ گیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ وہاں کئی سال گزارے۔ یہاں تک کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ان حضرات کو یہ خبر ملی تو یہ بھی مدینہ منورہ جانے کے لیے بے چین ہو گئے۔ آخر ان میں سے کچھ مردوں اور خواتین نے مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا۔ ان میں حضرت عبداللہؓ بن مخرمہ بھی تھے۔ اس طرح یہ مدینہ پہنچے۔ اس وقت ان کی عمر 29 برس تھی۔

مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے انھوں نے قبا میں قیام کیا۔ وہاں ان کے میزبان حضرت کلثوم بن ہدم انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر قبا پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف بھی حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کو ملا تھا۔

یہاں سے حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ حضرت مروہ بن عمرو بیاضی رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی بنایا۔

2 ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ اس طرح آپ کو بدری صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

بدر کے بعد انھوں نے احد، خندق اور خیبر وغیرہ کی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی یہ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چودہ سو صحابہ کرام کو اپنی خوشنودی کی بشارت عطا فرمائی ہے۔

اس کے بعد فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف اور غزوہ تبوک میں یہ شریک رہے، غرض ہر طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اس طرح دینِ اسلام کے سرفروشوں میں نمایاں مقام پالیا۔

حضرت عبداللہؓ بن مخرمہ نہایت عابد، زاہد اور عالم تھے۔ ان کا دل ہمیشہ شہادت کے شوق میں تڑپتا رہتا تھا۔ زبان پر شہادت کی دعا رہتی تھی۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور مرتدوں کے خلاف جنگوں کے دوران ایک جنگ میں انھیں آخر شہادت نصیب ہوئی اور شہادت بھی ایسی کہ روزے کی حالت میں اپنے مالک سے جا ملے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

زندہ ہوتو جواب دو

احد کی لڑائی کے بعد ایک صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے گئے۔ انھوں نے دیکھا، ان کے سینے پر ایک ننھی سی بچی لیٹی ہوئی ہے اور وہ اسے پیار کر رہے ہیں، بار بار چوم رہے ہیں۔ ملاقات کے لیے آنے والے صحابی نے ان سے پوچھا:

''اے ابا بکر! یہ بچی کون ہے؟''

انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''یہ اس شخص کی بیٹی ہے، جسے اللہ نے بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا، اس نے اپنی جان اللہ پر قربان کر دی اور قیامت کے دن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلیں گے۔''

انھوں نے پوچھا:

''آپ کن صاحب کی بات کر رہے ہیں؟''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

''سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کی۔''

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارثہ سے تھا۔ اس وقت

انصار میں صرف چند افراد پڑھے لکھے تھے، حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے، گھرانہ بھی دولت مند تھا۔ نبوت کے گیارہویں سال جب قبیلہ خزرج کے چھ نیک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو انھوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ اسلام کی دعوت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچی۔ انھوں نے بغیر کسی جھجک کے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اس طرح آپ انصار کے سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہوئے۔

اگلے سال جب حج کے دن آئے تو ان چھ افراد کی محنت سے جو لوگ تیار ہوئے تھے، وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لیے مکہ پہنچے۔ ان کی تعداد 80 کے لگ بھگ تھی۔ ان میں حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ کبیرہ کہا گیا۔ اس میں شامل صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کیا۔ ان حضرات کے درجات بہت بلند قرار پائے۔

بھائی چارے کے وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بھائی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا۔ اس بھائی چارے کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جس خلوص کا اظہار کیا، دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا:

''بھائی میرا نصف مال حاضر ہے، گھر کا نصف سامان حاضر ہے، ہر چیز کا نصف تم لے لو اور میری دو بیویاں ہیں، پسند کرو تو ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں، تم اس

سے نکاح کر لینا۔“

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کے اس انتہا درجہ کے خلوص پر شکریہ ادا کیا اور کہا:

”آپ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیں، جہاں تجارت ہوتی ہے۔“

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تجارت شروع کر دی اور بہت جلد اتنے بڑے تاجر بن گئے کہ ان کے مقابلہ کا مدینہ منورہ میں کوئی تاجر نہ رہا۔

2 ہجری میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ بدر کے بعد آپ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ بہت جانبازی سے لڑے، یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو کر گر پڑے، ایک روایت میں ہے، ان کے جسم پر بارہ بڑے زخم آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ سے حد درجے محبت تھی۔ جنگ کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے تو صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”کوئی ہے جو سعد کی خبر لائے؟“

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! میں جاتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ میدان جنگ میں گئے اور لاشوں کے درمیان پھر کر حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے لگے۔ بار بار ان کا نام لے کر پکارنے لگے۔ آخر بلند آواز میں پکارے:

''سعد! اگر زندہ ہوتو آواز دو، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری تلاش میں بھیجا ہے۔''

اس وقت حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا آخری وقت تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر انھوں نے اپنے جسم میں ایک توانائی سی محسوس کی۔ اپنے جسم اور روح کی تمام طاقت جمع کر کے بولے:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا، اور میرے انصاری بھائیوں سے کہنا، اگر آج خدانخواستہ اللہ کے رسول شہید ہو گئے اور تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ بچا تو اللہ کو ہرگز نہ منہ دکھا سکو گے اور اس کے سامنے تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ ہم نے بیعت عقبہ میں آپ پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا۔''

یہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے آخری الفاظ دہرائے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ سعد کو اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے، زندگی اور موت دونوں میں اللہ اور اللہ کے رسول کے خیر خواہ رہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خاص خاص موقعوں پر مشورہ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ جب خلیفہ بنے تو ایک مرتبہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی آپ کی خدمت میں

حاضر ہوئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے پوچھا:

''اے خلیفہ رسول! یہ خاتون کون ہیں؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو ہم دونوں سے بہتر تھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''وہ کیسے؟''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''اس طرح کہ اس کے باپ سعد بن ربیع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت الفردوس کی راہ لی اور ہم ابھی اس دنیا میں موجود ہیں۔''

اللہ کی ان پر ہزار ہار حمتیں ہوں۔

☆☆☆

جان حاضر ہے

وہ مدینہ منورہ سے آرہے تھے کہ مسیلمہ کذاب نے انھیں پکڑ لیا اور ان سے پوچھا:

''محمد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

انھوں نے فوراً جواب دیا:

''وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

اس پر وہ بولا:

''نہیں... یہ کہو، مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے۔''

انھوں نے حقارت بھری نظروں سے دیکھا اور فرمایا:

''تو جھوٹا ہے، مردود ہے۔''

اس پر ظالم مسیلمہ نے تلوار کے ایک وار سے ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا، پھر ان سے کہا:

''اب بھی میری بات مانو گے یا نہیں۔''

انھوں نے سخت ترین لہجے میں کہا:

''ہرگز نہیں... تو جھوٹا ہے۔''

مسیلمہ کذاب نے اب ان کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا، پھر کہا:

''اب بھی وقت ہے، میری نبوت کو مان لو۔''

یہ صحابی حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ اس بہادر ترین ماں کے بیٹے تھے جو غزوہ احد میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کی خاطر کافروں سے لڑی تھیں اور اس بے جگری سے لڑی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا:

''میں جنگ احد میں ام عمارہ کو اپنے دائیں بائیں لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔''

انھی حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی:

''اے اللہ! ام عمارہ کو جنت میں میرے ساتھ کیجیے گا۔''

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ اس عظیم ماں کے بیٹے تھے، وہ کیسے مسیلمہ کذاب کی بات مان لیتے۔ دونوں ہاتھ کٹنے پر بھی ان کی ثابت قدمی میں ذرہ برابر فرق نہ آیا، بولے:

''نہیں، ہرگز نہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، لہٰذا تم جھوٹے ہو۔''

اب مسیلمہ کذاب کی غضب ناکی میں بلا کا اضافہ ہو گیا۔ اس نے ان کے جسم کا ایک ایک حصہ کاٹنا شروع کیا، حضرت حبیب رضی اللہ عنہ تڑپ رہے تھے اور وہ قہقہے لگا رہا تھا ... حضرت حبیب رضی اللہ عنہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، لیکن راہِ حق سے ان کے قدم ذرا نہ

ڈگمگائے۔

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کی مظلومانہ شہادت کی خبر سنی تو ان کی ثابت قدمی پر اللہ کا شکر بجالائیں۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہما انصاری صحابی تھے، ان کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بنونجار سے تھا۔ والد کا نام زید بن عاصم رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

3 ہجری میں حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہما اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما اور اپنی والدہ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے اور آخر تک نہایت ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے رہے... بعد کے غزوات میں بھی انھوں نے برابر حصہ لیا، یہاں تک کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے، آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ ان کے زمانے میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس دعوے کی شروعات اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے آخری دنوں ہی میں کر دی تھیں، لیکن اس وقت اس نے کھل کر کوئی اعلان نہیں کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اس نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ عرب کے چالیس ہزار جنگ جو مرتد ہو گئے اور اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس طرح اس نے بہت طاقت جمع کر لی۔

اور انھی دنوں حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہما اس کے پڑاؤ کے پاس سے

گزرے، اس نے انھیں پکڑ لیا اور بے دردی سے شہید کر دیا۔

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کی والدہ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس طرح مسیلمہ کے خلاف یمامہ کی جنگ لڑی گئی۔ دونوں ماں بیٹے اس جنگ میں مسیلمہ کے خلاف بہت بہادری سے لڑے۔ لڑائی پورے زوروں پر تھی کہ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے مسیلمہ کو دیکھ لیا۔ وہ زخم پر زخم کھاتی، اپنے نیزے سے راستہ بناتی، اس کی طرف بڑھتی چلی گئیں، اس کوشش میں انھیں گیارہ زخم آئے، ایک ہاتھ بھی کلائی پر سے کٹ گیا، آخرکار مسیلمہ کے نزدیک پہنچ گئیں۔ اس پر وار کرنا چاہتی تھیں کہ ایک ساتھ مسیلمہ پر دو وار ہوئے اور وہ گھوڑے سے نیچے جا گرا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے مڑ کر دیکھا تو ایک طرف اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کھڑے پایا، دوسری طرف حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ انھوں نے اپنا نیزہ مسیلمہ پر پھینکا تھا اور اسی وقت حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے تلوار کا وار اس پر کیا تھا۔

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کے قاتل اور مسلمانوں کے بدترین دشمن کی موت پر سجدۂ شکر بجا لائیں۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

دو گواہیوں والے

ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی سے فرمایا:

''میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔''

یہ سودا دراصل راستے میں ہوا تھا۔ وہ جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے کچھ فاصلہ پر تھی۔ اس وقت قیمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہ تھی۔ چنانچہ قیمت دینے کے لیے آپؐ اسے ساتھ لے چلے... آپؐ ذرا تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے تاکہ جلد گھر پہنچ کر اسے رقم ادا کر دیں... دوسری طرف دیہاتی ذرا سست سست قدم اٹھا رہا تھا، اس لیے آپؐ اس سے کچھ آگے نکل گئے۔

اس دوران کچھ لوگ اس دیہاتی سے گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگ گئے، انھیں یہ بات تو معلوم نہیں تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے گھوڑا خرید چکے ہیں، کسی نے اس گھوڑے کی قیمت زیادہ لگا دی... اس لیے دیہاتی وہیں سے پکارا:

''آپ یہ گھوڑا خریدتے ہیں یا نہیں، ورنہ میں دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی کی آواز سنی تو رک گئے۔ یہاں تک کہ دیہاتی آپؐ کے قریب آ گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''تم تو گھوڑا میرے ہاتھ پہلے ہی فروخت کر چکے ہو۔''

اس پر وہ مکر گیا، بولا:

''نہیں، میں نے گھوڑا آپ کے ہاتھ نہیں بیچا۔''

آپؐ نے فرمایا:

''تم نے گھوڑا میرے ہاتھ فروخت کیا ہے، میں نے یہ تم سے خریدا ہے۔''

آپؐ نے کئی بار یہ بات فرمائی، ایسے میں دیہاتی نے کہا:

''آپ اپنا گواہ لائیں جو یہ گواہی دے کہ میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔''

اس دوران وہاں کچھ لوگ جمع ہو گئے۔ انھوں نے دیہاتی کو بتایا:

''اے شخص! یہ اللہ کے رسول ہیں، جھوٹ نہیں بول سکتے، سچ یہی ہے، تو غلط بات کہہ رہا ہے۔''

دیہاتی اب بھی نہ مانا، ایسے میں ایک صحابی وہاں آ گئے۔ انھوں نے ساری بات سن کر فوراً کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں، تو نے یہ گھوڑا ان کے ہاتھ بیچا ہے۔''

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''تم گواہی کیسے دے رہے ہو جب کہ تم اس وقت موجود نہیں تھے جب میں نے اس سے گھوڑا خریدا تھا؟''

جواب میں انھوں نے کہا:

''اللہ کے رسول! میں آپ کی بات کی تصدیق کر رہا ہوں، آپ اللہ کے پیغمبر ہیں...... جو کچھ فرماتے ہیں، حق ہی فرماتے ہیں، اس لیے میں نے یہ گواہی دی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اخلاص دیکھ کر فرمایا:

''آج کے بعد خزیمہ جس کے حق میں یا خلاف گواہی دیں گے، تو ان کی گواہی ہی کافی ہو جائے گی، کیونکہ ان کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر ہے۔''

اس دن سے یہ صحابی یعنی حضرت خزیمہ بن ثابت خطمی رضی اللہ عنہ ذوالشہادتین یعنی دو گواہیوں والے مشہور ہو گئے۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ والدہ کا نام کبشہ بن اوس تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کے نتیجے میں مسلمان ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد انھوں نے بتوں سے شدید نفرت محسوس کی۔ انھوں نے ایک پر جوش ساتھی عمر بن عدی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور بنو خطمی کے تمام بت توڑ ڈالے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ قریباً سبھی غزوات میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شرکت کی۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ان دس ہزار صحابہ کرامؓ میں شامل تھے، جو اس موقع پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو خطمی کا جھنڈا انھیں عطا فرمایا۔ یہ علم لہراتے اس شان سے مکہ میں داخل ہوئے کہ ان کے ہتھیار دھوپ میں خوب چمک رہے تھے اوران کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک رات انھوں نے خواب دیکھا کہ یہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پیشانی کو چوم رہے ہیں۔ صبح اٹھے تو آپ کی خدمت میں حاضری دی اور بولے:

''اللہ کے رسول! رات میں نے خواب دیکھا کہ میں آپ کی پیشانی کو چوم رہا ہوں۔''

ان کا خواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

''تم اپنا خواب پورا کرلو۔''

یہ سن کر آپ والہانہ انداز میں آگے بڑھے اور آپ کی پیشانی کو چوم لیا، دیکھنے والوں نے اس وقت رشک محسوس کیا کہ کاش یہ سعادت انھیں ملی ہوتی، یہ خواب انھوں نے دیکھا ہوتا۔

قبیلہ اوس کے لوگ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے شرف پر فخر کیا کرتے تھے۔ آپؓ اڑتیس کے قریب احادیث کے راوی بھی ہیں۔ آپؓ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی آپ پر ہزار ہار حمتیں ہوں۔

☆☆☆

ایک سو کے برابر

مکہ معظمہ کی فتح کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی طرف روانہ ہوئے، ایسے میں بنو کلاب کے مجاہدین کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا:

''ہم بھی آپ کے ساتھ بنو ہوازن کے خلاف لڑیں گے، ہمیں بھی جہاد کی اجازت دیجیے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان جفاکش بدویوں کا جذبہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا:

''تمہاری جماعت میں کتنے آدمی ہیں؟''

جواب میں انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہم نو سو ہیں۔''

یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم پسند کرو تو میں تمھیں ایک ایسا شہسوار دیتا ہوں جو تمہاری تعداد کو ایک ہزار

کے برابر کردے اور تمہاری قیادت بھی کرے۔''

آپ ؐ کا مطلب یہ تھا کہ وہ شہسوار ایک سو آدمیوں کے برابر ہوگا۔

انھوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

''ضرور کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طاقت ور جسم والے صحابی کو آگے بڑھنے کا اشارہ فرمایا۔ وہ فوراً آگے بڑھے، آپ ؐ نے بنوکلاب کا جھنڈا انھیں عطا فرمایا اور بنوکلاب سے فرمایا:

''اب تم پورے ہزار کے برابر ہو۔ جاؤ اپنے امیر کی اطاعت کرو۔''

یہ صاحب جنھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ایک سو کے برابر قرار دیا، حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ تاریخ میں یہ سیافِ رسول مشہور ہوئے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمشیر بردار محافظ۔

حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کا شمار اپنے دور کے نامور بہادروں اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جاں نثاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابوسعد یا ابوسعید تھی۔ بنوکلاب سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ مشہور نجدی قبیلے بنوعامر کی ایک شاخ تھی۔

یہ تلوار اٹھائے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی غرض سے آپ کے قریب کھڑے رہتے تھے۔ اسی لیے انھیں سیافِ رسول کا خطاب ملا۔ آج کے الفاظ میں آپ باڈی گارڈ کہہ لیں۔

زمانہ جاہلیت میں یہ اپنے قبیلے کے معزز آدمی تھے، شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔

خیال ہے کہ آپؓ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ایمان لے آئے تھے۔ مسلمان ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کے قبیلہ کا امیر مقرر فرمایا۔ آپؐ نے انھیں بنو کلاب کے صدقات وصول کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی۔

ایک قبیلہ بنو قرطا نے مسلمانوں کے خلاف سرگرمی دکھائی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف روانہ فرمایا۔ قبیلہ قرطا قبیلہ بنو بکر کی ایک شاخ تھا۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کیا اور انھیں شکست سے دوچار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔

غزوہ حنین میں بنو سلیم کے مجاہدین کی کمان حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔

ربیع الاول 9 ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کو خود ان کے قبیلہ بنو کلاب کی طرف روانہ فرمایا تاکہ اس قبیلہ کے مشرکین کو سبق سکھایا جاسکے۔ آپؐ نے اس مہم کی قیادت حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرمائی۔ چنانچہ اسی بنیاد پر یہ مہم سَرِیّۂ ضحاک بن سفیان کے نام سے مشہور ہوئی۔ مشرکین نے مقابلہ کیا، لیکن حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ان کی ایک نہ چلی اور آخر ہتھیار ڈال دیے۔

11 ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو سارے عرب میں فتنہ وفساد کی لہر دوڑ گئی، قبائل کے قبائل مرتد ہوگئے، اسلام چھوڑ بیٹھے۔ کسی نے کہا، ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے تو کسی نے مسیلمہ کو نبی مان لیا۔ قبیلہ بنو سلیم بھی اس رو میں بہہ کر مرتد ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی

طرف حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ جب ان کے مقابلے میں پہنچے تو دیکھا مرتدین بہت بڑی تعداد میں تھے۔ یہ ان کے ساتھ بڑی بہادری سے لڑے۔ زبردست جنگ ہوئی... اس لڑائی میں حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ مرتدین کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، لیکن ان کا خون رائیگاں نہ گیا۔ نبوت کے جھوٹے دعوے دار کے خلاف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا گیا اور انھوں نے اسے شکست فاش دی۔ جن مرتدوں نے مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے انھیں قتل کر دیا گیا۔

حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ بنیادی طور پر ایک مجاہد تھے اور زندگی کا زیادہ تر حصہ جہادی اسفار و مشاغل میں گزرا، اس لیے انھیں احادیث بیان کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ ان سے صرف چار احادیث روایت کی گئی ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

سیستان کا مجاہد

فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرمایا تو قریش میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کا تو خیال تھا کہ آج گن گن کر بدلے لیے جائیں گے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سچے دل سے مسلمان ہونے لگے۔

ایسے میں ایک نوجوان آپؐ کے سامنے آئے اور بولے:

''اللہ کے رسول! میں آپ کے چچا کا بیٹا عبدالکعبہ ہوں۔''

جواب میں آپ نے شفقت سے بھرپور لہجے میں ارشاد فرمایا:

''نہیں! آج سے تم عبدالرحمٰن ہو۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنا نیا نام پانے والے یہ صحابی سمرہ بن حبیب کے بیٹے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب عبدشمس سے جا ملتا ہے۔ عبدشمس اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم آپس میں سگے بھائی تھے۔ اسی نسبت سے انھوں نے خود کو آپؐ کا چچازاد بھائی کہا تھا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، اس وقت یہ

چھوٹے بچے تھے، اس لیے آپ پر ہونے والے مظالم میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا۔

فتح مکہ کے وقت یہ بھرپور نوجوان تھے۔ انھوں نے غزوہ تبوک میں حصہ لیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نصیحت فرمائی تھی:

''عبدالرحمٰن! کسی عہدے کے خود امیدوار نہ بننا، اگر تم نے اپنی خواہش سے کوئی عہدہ قبول کیا تو اس کی برائی اور بھلائی کا بوجھ تنہا تمہارے سر ہوگا، ہاں! خواہش کے بغیر کوئی عہدہ ملے تو اور بات ہے، اس کی ذمے داری کو نبھانے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھا اور کبھی کسی عہدے کی خواہش نہیں کی، البتہ کوئی عہدہ دوسروں کی طرف سے انھیں پیش کیا گیا تو انھوں نے قبول کیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ عظیم سالار کی حیثیت سے ابھرے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ایران میں فتوحات کرتے ہوئے مکران اور سیستان تک پہنچ گئے تھے، مکران آج کل صوبہ بلوچستان میں شامل ہے جب کہ سیستان افغانستان کے علاقوں زرنج، فراہ، نیمروز وغیرہ پر مشتمل ہے، اس کی سرحدیں پاکستان کے موجودہ علاقے بلوچستان سے ملتی ہیں۔

سیستان اس زمانے میں ایرانی سلطنت کا اہم ترین صوبہ تھا، وہاں کے باشندے

بہت جنگ جو تھے، سیستان اگر چہ مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ان لوگوں نے پھر سر اٹھایا اور بغاوت کی اور اپنا علاقہ مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا لیا۔

ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے، انھوں نے سیستان کی طرف توجہ دی۔ بصرہ کے والی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سیستان، کابل، مکران اور کرمان وغیرہ کو باغیوں سے چھڑایا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے سیستان کی مہم پر ربیع بن زیاد کو مامور کیا۔ انھوں نے 30 ہجری میں ایک زبردست حملہ کیا اور سیستان پر بھی اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ ربیع بن زیاد دو سال تک وہاں رہے، اس کے بعد اپنا نائب مقرر کر کے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی سیستانی پھر اٹھ کھڑے ہوئے، ربیع کے نائب کو نکال باہر کیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو سیستان کی فتح کے لیے مقرر کیا، ساتھ ہی انھیں لکھ دیا کہ آپ ہی سیستان کے امیر ہوں گے۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سیستان کی مہم سونپی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ 33 ہجری میں قریباً آٹھ ہزار جانبازوں کا ایک مضبوط لشکر لے کر سیستان کے صدر مقام زرنج کی طرف بڑھے۔ اس لشکر میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جیسے لوگ بھی شامل تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ دشوار گزار راستہ طے کرتے ہوئے طوفانی انداز میں

زرنج پہنچے۔ سیستان کے حاکم پرویز نے شہر کے دروازے بند کر لیے، پہلے مسلمانوں سے مقابلہ کرتا رہا، لیکن آخر اس نے جان لیا کہ اس لشکر کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں، چنانچہ اس نے بیس لاکھ درہم اور دو ہزار غلام دے کر مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ان جیسے دوسرے عالم لوگ آئے تھے۔ انھوں نے وہاں اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ ان کی کوششوں سے سیستانیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہوگئی۔ اس کے باوجود ان لوگوں کو جب بھی موقع ملتا، یہ پھر بغاوت کر دیتے تھے۔

زرنج فتح کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے زرنج اور کیش کے درمیان تمام علاقوں کو بھی فتح کر لیا۔ اب یہ تمام علاقے پاکستانی بلوچستان میں شامل ہیں۔ کیش یا کیچ کو اب خضدار کہا جاتا ہے، جو کراچی سے چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔ اس زمانے میں بلوچستان نامی کوئی صوبہ نہ تھا بلکہ یہ علاقہ ہندوستان میں شامل تھا، مکران اور سیستان بھی سندھ سے ملے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین پر یہ پہلا حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور یہی پہلا علاقہ ہندوستان کا ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہندوستان کے بت کدے میں سب سے پہلے اذان دینے والے مجاہدین کے سالار تھے۔

ان علاقوں کی فتح کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ رخج کی طرف بڑھے اور

زبردست حملہ کرتے ہوئے اہم شہر دادن تک پہنچ گئے۔اس شہر کے لوگ بھاگ کر اپنے بت خانے میں گھس گئے۔ یہ مندر ایک قلعہ جیسا تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا۔اس میں جو بت نصب تھا،اس کا نام زور تھا۔اسی کے نام کی نسبت سے پہاڑ کا نام بھی زور تھا، لوگ اسے جبل زور یا کوہ زور کہتے تھے۔ یہ مندر بت پرستوں کے نزدیک بہت اہم تھا۔ ہندو دور دور سے اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔قیمتی چڑھاوے اس پر چڑھاتے تھے۔ان چڑھاووں کی وجہ سے مندر کے پجاری اور دوسرے لوگ بہت مال دار تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مندر کا محاصرہ کرلیا۔آخر ہندو چند دن کے اندر ہمت ہار بیٹھے اور ایک بڑی رقم دے کر صلح کرلی، یہ رقم کس قدر بڑی تھی،اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مرکز کا حصہ یعنی پانچواں حصہ نکال کر باقی رقم کو پورے لشکر میں تقسیم کیا گیا تو ہر ایک کے حصے میں چار چار ہزار درہم آئے۔

مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ شہر کی فتح کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سیدھے اس بت خانے میں پہنچے۔انھوں نے دیکھا کہ وہاں خالص سونے کا ایک بہت بڑا بت نصب ہے۔اس کی آنکھوں میں نہایت قیمتی ہیرے جڑے ہیں۔حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے نیزے کی نوک سے ان ہیروں کو نکالا، پھر اس بت کے ہاتھ توڑ دیے۔وہاں کا حاکم اور دوسرے ہندو یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”لوگو! یہ یاقوت، جواہر اور بت کے سونے کے ہاتھ اٹھا لو،

مجھے زر و جواہر کی ضرورت نہیں۔ یہ کام تو میں نے تمھیں یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ بت کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے ان کی عبادت کرنا اپنی زندگی کو برباد کرنا ہے۔ اے لوگو! عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ کی ذات ہے، وہی ہر چیز کا مالک ہے اور وہی ہر ایک کے نفع اور نقصان پر قادر ہے۔ اگر تم اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لے آؤ تو امید ہے، اللہ تمہارے سینے کھول دے گا اور تم دین اسلام کو اچھی طرح سمجھ جاؤ گے۔"

اس بت کو توڑنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بست اور زابل کی طرف پیش قدمی کی۔ اپنی شجاعت اور تدبیر کی بدولت بہت جلد ان کو بھی فتح کر لیا۔ پھر زرنج لوٹے اور اس کے نظم و نسق میں مصروف ہو گئے۔ ایسے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا الم ناک واقعہ پیش آیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ نے زرنج میں اپنا قائم مقام امیر بن احمر کو مقرر کیا اور خود بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بالکل گوشہ نشین رہے۔ 41 ہجری میں تمام عالمِ اسلام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔ انھوں نے سب سے پہلے ان علاقوں کی طرف توجہ دی جو مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے باغی ہو گئے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بصرہ کا والی مقرر کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

دور میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے کارنامے دیکھ چکے تھے۔اس لیے انھیں بلا بھیجا، اپنی طرف سے سیستان کا والی مقرر کیا اور باغیوں سے نمٹنے کے لیے روانہ کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ تازہ جوش اور ولولے سے سیستان کی طرف بڑھے اور علاقے پر علاقے فتح کرتے کابل تک پہنچ گئے۔کابل کے لوگ بہت سخت تھے۔انھوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بھی محاصرہ سخت کر دیا۔ایک رات فصیل پر منجنیقوں سے ایسا زبردست پتھراؤ کیا کہ قلعہ کی ایک دیوار میں شگاف ہو گیا۔عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے رات کے اندھیرے میں شہر میں داخل ہونا مناسب خیال نہ کیا۔

صبح ہوئی تو کابل کے لوگ جوش و خروش کے عالم میں باہر نکل آئے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو کابلیوں سے اس کی بالکل امید نہیں تھی۔ شروع میں انھیں سخت مشکل پیش آئی۔پھر انھوں نے اپنی فوج کے چیدہ چیدہ دستوں کو ساتھ لے کر جوابی حملہ کیا۔یہ حملہ اس قدر زوردار تھا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔کابلیوں نے ہتھیار ڈال دیے، انھوں نے امان طلب کی۔حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں امان دے دی۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے رزان فتح کیا، آگے بڑھے اور طخارستان کے علاقے میں داخل ہو گئے۔سب سے پہلے ان کے راستے میں ''خشک'' شہر آیا۔اس شہر کے باشندوں میں لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔انھوں نے اطاعت قبول کر لی۔

اب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ رخج پہنچے۔ رخج کے لوگوں نے جنگ کی زبردست تیاری کی تھی، مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے، لیکن شکست کھائی۔ اس کے بعد غزنی فتح کیا۔ اس دوران کابل سے پھر بغاوت کی خبر ملی، یہ پھر وہاں پہنچے اور انھیں زبردست شکست دی۔ اس سے پہلے قندھار پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ یہ تمام واقعات 43 تا 44 ہجری میں پیش آئے یعنی قریب قریب ایک سال کے عرصے میں یہ تمام علاقے فتح ہوئے۔ ایک سخت جنگجو قوم کو شکست پر شکست دینا حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس طرح حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا شمار دنیا کے بہترین جرنیلوں میں ہوتا ہے۔

انھوں نے سیستان پر حکمرانی بھی عجیب انداز سے کی۔ ان کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ وہ ایک درویش صفت آدمی تھے اور معمولی سے معمولی کام کرنے سے بھی نہیں شرماتے تھے۔ جب زرنج کی گلیاں بارش کی وجہ سے کیچڑ سے بھر جاتیں تو دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی جھاڑو لے کر گلیاں صاف کرتے تھے۔

آپؓ نے 50 ہجری میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہار حمتیں ہوں۔

☆☆☆

طائف کا مجاہد

ایرانیوں کو مسلمانوں نے بویب کے مقام پر 14 ہجری میں عبرت ناک شکست دی۔ اس شکست نے ایران کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، وہ سب مل کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ عراقِ عرب کے جن علاقوں پر مسلمان قبضہ کر چکے تھے، وہاں بھی انھوں نے بغاوت کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان حالات کی اطلاع ملی۔ انھوں نے عراقِ عرب کی فوجوں کے سپہ سالار حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ ساری فوجوں کو سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف لے آؤ۔ ساتھ ہی آپ نے سارے عرب میں جہاد کا اعلان کرا دیا۔ جلد ہی جوش میں بھرے مسلمانوں کا گویا سیلاب امڈ آیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراقِ عرب کی مہم کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔ انھیں مناسب ہدایات دیں، اس کے بعد مدینہ منورہ سے رخصت فرمایا۔

شراف کے مقام پر حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی فوج بھی ان کے لشکر میں شامل ہوگئی۔

اس وقت تک حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے تھے۔ انھیں جسر یعنی پل کی لڑائی میں شدید زخم آئے تھے۔ انھی زخموں سے وہ شہید ہوئے تھے۔

اس مقام پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا:

''شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں قیام کرو۔ قادسیہ ایران کا دروازہ ہے۔''

یہ خط ملتے ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ شراف سے روانہ ہوئے اور قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔

دوسری طرف ایرانی حکمران یزدجرد نے ایک نامور ایرانی جرنیل رستم کو ایک لشکر جرار دے کر مسلمانوں سے جنگ کے لیے روانہ کیا۔ رستم ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس، ساٹھ ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مدائن سے روانہ ہوا۔ پہلے اس نے ساباط کی فوجی چھاؤنی میں پڑاؤ ڈالا۔ وہاں ٹھہر کر اس نے ہر طرف اپنے آدمی دوڑا دیے تاکہ ایرانی زیادہ سے زیادہ تعداد میں چاروں طرف سے آ کر اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔ اس طرح ایرانیوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ ادھر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں، ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ہدایت بھیجی کہ ایک وفد یزدجرد کے پاس بھیجا جائے، اسے اسلام کی دعوت دی جائے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے 14 رکنی وفد یزدجرد کی طرف روانہ کیا۔ ان حضرات نے یزدجرد سے ملاقات کی۔ بہت اچھے انداز میں تقاریر کیں، لیکن یزدجرد

آپے سے باہر ہو گیا اور انھیں اپنے دربار سے نکال باہر کیا، بلکہ ان حضرات کو ذلیل کرنے کی نیت سے اس نے حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کے سر پر مٹی کی ایک ٹوکری رکھوائی جائے اور اسی حالت میں یہ یہاں سے واپس جائیں۔ ساتھ ہی اس نے حقارت بھرے انداز میں کہا:

''تم ہمارا ملک فتح کرنے کے لیے آئے ہو، لیکن یہاں سے تمھیں اس مٹی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔''

انھیں اپنے دربار سے اس طرح برے طریقے سے نکالنے کے بعد یزدجرد نے رستم کو حکم بھیجا:

''ساباط سے کوچ کرو، قادسیہ پہنچو اور مسلمانوں کو کچل دو، ان کا نام ونشان مٹا دو۔''

رستم کے گرد اس وقت تک قریباً دو لاکھ فوج جمع ہو چکی تھی۔ اس کی فوج میں تین سو جنگی ہاتھی بھی تھے۔ وہ ساباط سے روانہ ہوا۔ قادسیہ کے میدان میں پہنچ کر اس نے عتیق کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

وہ بہت ذہین اور دور اندیش جرنیل تھا۔ عربوں کی بہادری سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ چاہتا تھا، مسلمانوں سے جنگ نہ لڑے اور صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔ مسلمان لڑے بغیر ہی لوٹ جائیں، چنانچہ اس نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا:

''آپ اپنا کوئی خاص آدمی میرے پاس بھیجیں، میں صلح کی بات چیت کرنا چاہتا

ہوں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پہلے ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت حذیفہ بن حصین رضی اللہ عنہ کو بھیجا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر تیسری بار حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

رستم نے ان کی آمد سے پہلے اپنے دربار کو خوب سجایا۔ دور دور تک بیش قیمت قالینوں کا فرش بچھوا دیا۔ راستہ کے دونوں طرف نہایت اعلیٰ وردیوں میں ملبوس فوج کے دستے کھڑے کیے، پھر وہ خود اپنے امیروں اور وزیروں کے درمیان سونے کے تخت پر بیٹھ گیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ معمولی لباس پہنے بڑی بے نیازی سے رستم کے دربار میں داخل ہوئے اور سیدھے رستم کے ساتھ تخت پر جا بیٹھے۔ اس پر سارے درباریوں کے چہرے غصے سے تن گئے۔

چوبدار آگے بڑھے اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر تخت سے اتار لیا۔ اس پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے تو سنا تھا، ایران کے لوگ بہت مہذب ہوتے ہیں، لیکن یہاں آکر پتا چلا کہ وہ ایک شخص کو خدا بنا کر تخت پر بٹھا دیتے ہیں، اللہ کا شکر ہے، ہم عربوں میں یہ دستور نہیں۔ تم نے خود مجھے یہاں بلایا ہے، اس لیے میرے ساتھ تمہارا یہ سلوک، بالکل بھی مناسب نہیں، اگر تمہارے اخلاق یہی ہیں تو سمجھ لو، تمہارے آخری دن آ گئے۔''

رستم حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر نرم ہو گیا، بولا:

''میں نے تمھیں اپنے پاس سے اٹھانے کا انھیں حکم نہیں دیا تھا، لیکن یہ تو بتاؤ، تم اپنی

بوسیدہ تلواروں اور چھوٹے چھوٹے تیروں سے ہمارا مقابلہ کس طرح کرو گے؟"

اس پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بولے:

"میری تلوار بے شک بوسیدہ ہے، لیکن اس کی دھار بہت تیز ہے۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے۔ رہی بات تیروں کی، تو سن لو! آگ کا شعلہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، پھر بھی آگ ہے اور آگ کی خاصیت جلانا ہے، ہمارے تیر جب تم پر چلیں گے تو ان کا اثر معلوم ہو جائے گا۔"

اس گفتگو کے بعد رستم اصل بات کی طرف آ گیا۔ اس نے کہا:

"تم دیکھ رہے ہو، میرے پاس کتنی فوج ہے، کتنے ہاتھی ہیں، کتنا ساز و سامان ہے، میرا تمھیں مشورہ ہے، تم لوگ واپس چلے جاؤ، میں وعدہ کرتا ہوں، میری فوج تمہارا تعاقب نہیں کرے گی، بلکہ تمہارے سپہ سالار اور فوج کے دوسرے تمام افسروں اور سپاہیوں کو ان کے مرتبوں کے مطابق انعام دیا جائے گا۔"

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے پر جوش انداز میں اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"اگر تم دین حق قبول نہیں کرتے تو پھر جزیہ دینا قبول کرو، ورنہ تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

ان کی بات سن کر رستم غصے میں آ گیا اور تن کر بولا:

"آفتاب کی قسم! اب تم سے ہرگز صلح نہیں ہوگی۔ میں کل تم سب کو ہلاک کر دوں

گا۔"

مغیرہ رضی اللہ عنہ پرسکون آواز میں بولے:

"بہت اچھا! جو اللہ چاہے گا، وہی ہوگا۔"

اس کے بعد وہ اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ساری بات چیت سنائی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسی وقت مجاہدین کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ دوسرے دن مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان قادسیہ کی خون ریز جنگ کا آغاز ہوا۔ یہ جنگ تین دن جاری رہی اور آخر ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

رستم کے دربار میں اس انداز سے جانے والے جلیل القدر صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنو ثقیف سے تھا۔ یہ قبیلہ طائف میں آباد تھا۔ بنو ثقیف بڑے جنگ جو اور بہادر لوگ تھے۔ طائف کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدترین سلوک کیا تھا۔ ان لوگوں کو 9 ہجری سے پہلے ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوئی تھی، تاہم چند خوش نصیب ضرور ایسے تھے جو پہلے ہی ایمان لے آئے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ یہ 5 ہجری میں ایمان لائے۔ اسلام لانے کے بعد یہ اپنا زیادہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارتے تھے۔ آپؐ کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ 6 ہجری میں ہونے والی بیعت رضوان میں آپؓ شریک تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے غزوہ خیبر، فتح مکہ اور غزوہ تبوک میں حصہ لیا۔ 9 ہجری

میں طائف کے لوگ ایمان لانے کے لیے آئے تو یہ راستے میں انھیں مل گئے۔ اپنے ثقفی بھائیوں کی بات سن کر بہت خوش ہوئے اور یہ خبر سنانے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف دوڑ پڑے۔ راستہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے۔ آپ نے پوچھا:

''مغیرہ! کیا بات ہے، اس طرح کیوں دوڑ رہے ہو؟''

انھوں نے کہا:

''میرے قبیلے کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے آ رہے ہیں، میں یہ خوش خبری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے جا رہا ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

''تم یہ خوش خبری مجھے سنانے دو۔''

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ ان کا بہت احترام کرتے تھے، چنانچہ ان کی بات مان لی اور وہیں سے اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خبر سنائی۔ آپؐ بہت خوش ہوئے، کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جن کی زیادتیوں پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا تاکہ آپ حکم دیں تو وہ ان پہاڑوں کو الٹ دے، لیکن آپؐ نے فرمایا تھا ''ہو سکتا ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں مسلمان ہو جائیں۔'' سو آج یہ لوگ آخر مسلمان ہونے کے لیے آ گئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش کیوں نہ ہوتے۔ پھر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ان سب کو لیے آپ کی

خدمت میں آئے۔ چند دن تک ان لوگوں کو قرآن سنایا گیا، دین کی باتیں بتائی گئیں، انھوں نے مسلمانوں کو نمازیں ادا کرتے دیکھا، آخر یہ لوگ ایمان لے آئے۔ اور جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا اور انھیں حکم دیا:

''وہاں جا کر بتوں کو توڑ دینا۔''

یہ لوگ لات بت کی پوجا کرتے تھے۔ اس سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کی ہیبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر سب بت توڑ ڈالے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے پورا بت خانہ گرا دیا۔

15 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ اس دوران بھی انھوں نے کئی فتوحات کیں۔ اس کے بعد آپ کو کوفہ کا والی مقرر کیا گیا۔

آپؓ حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے۔

آپؓ صرف ایک مجاہد ہی نہیں تھے، علم و فضل کے اعتبار سے بھی آپ کا ایک مقام تھا۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار بار رحمتیں ہوں۔

☆☆☆

جنگِ یمامہ کے جری

ان کی قراءت کا حال سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لائے۔ اس جگہ تک پہنچے جہاں وہ تلاوت کرر ہے تھے۔ آپؐ نے دیکھا، کچھ اور لوگ بھی رک کر ان کی قراءت سن رہے تھے اور ان پر محویت طاری تھی۔ یوں لگتا تھا، جیسے ساری کائنات ساکت ہوگئی ہو۔ ان کی قراءت سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمکنے لگا۔ زبان مبارک پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو گئے:

''ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے، جس نے میری امت میں تم جیسے انسان کو پیدا کیا۔''

یہ خوش قسمت ترین انسان ابو عبداللہ سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت سالم رضی اللہ عنہ کا شمار ان بڑے صحابہ میں ہوتا ہے، جو قرآن کریم کی قراءت کے امام تھے۔ حافظ تھے... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''قرآن سیکھنا ہے تو عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابو حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے سیکھو۔''

ان چاروں میں بھی حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ عربی نہیں تھے، ایرانی تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سمجھ عطا فرمائی تھی، بلکہ اتنی مہارت عطا فرمائی تھی کہ خود اللہ کے رسول نے لوگوں کو ان سے قرآن حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔

آپ کے باپ دادا ایران کے تھے، والد کا نام معقل یا عبید تھا۔ آپ ایک عورت کے غلام کی حیثیت سے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس نے آزاد کردیا تو یہ کسی طرح مکہ مکرمہ آ گئے۔ وہاں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنا بیٹا بنالیا، اسی لیے آپ سالم بن ابوحذیفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ان سے بہت محبت کرتے تھے، اسی طرح حضرت سالم رضی اللہ عنہ بھی ان پر جان چھڑکتے تھے۔ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سگی بھتیجی فاطمہ بنت ولید کا نکاح ان سے کردیا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں یہ واضح فرمایا کہ منہ بولے بیٹے، حقیقی بیٹے نہیں ہوتے، انھیں اپنے اصل باپوں ہی کے نام سے پکارا کرو۔ تو لوگ انھیں سالم بن ابوحذیفہ کی بجائے سالم مولیٰ ابوحذیفہ کہنے لگے۔

حضرت سالم رضی اللہ عنہ ابھی نوجوان ہی تھے کہ اللہ کے رسول نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا، لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلایا۔ اسلام کی دعوت ان کے کانوں میں پڑی تو حضرت ابوحذیفہ اور حضرت سالم رضی اللہ عنہما نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ اس طرح سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

ہجرت کا حکم ہوا تو آپؓ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مکہ کی رہائش کے دوران آپ علم حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے، اس طرح انھیں دینی علوم میں ایک خاص مقام حاصل ہوگیا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انھیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے انھیں مسجد قبا میں مسلمانوں کی امامت کرانے کا شرف حاصل ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لائے۔ آپؐ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد حضرت سالمؓ مستقل طور پر مسجد قبا میں امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔

امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان کے پیچھے نماز ادا کی۔

جب یہ خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھتے تو سننے والوں پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قرأت پر ناز تھا، اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے:

''لوگو! قرآن سالم سے سیکھو۔''

مدینہ منورہ میں بھائی چارے کے موقع پر آپ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ یہ ان کے بھائی تو بن گئے لیکن کبھی انھیں زحمت دینے کی کوشش نہ کی، خود کماتے اور جو بچ رہتا، راہِ حق میں خرچ کر دیتے

تھے۔

یہی نہیں کہ آپ قرآن کے بہت بڑے قاری اور عالم فاضل تھے، بلکہ آپ میدان جہاد کے بھی شیر تھے۔ بدر، احد، خندق اور دوسرے تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اور ہر بار میدان میں شجاعت دکھائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا حق ادا کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ ان کے دور میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی خوفناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ بولے والد حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی۔ اب تک مسلمانوں نے جتنی لڑائیاں لڑی تھیں، یہ ان میں سب سے زیادہ ہولناک اور سخت ترین لڑائی تھی۔ اس میں ایک طرف اسلام کے مجاہد تھے، وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے لڑ رہے تھے، دوسری طرف بنو حنیفہ کے لوگ تھے جو نبوت کے جھوٹے دعوے دار کے لیے لڑ رہے تھے۔

اس لڑائی میں مہاجرین کا علم حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب مرتدوں کا دباؤ بڑھا، اور مسلمانوں کے قدم اکھڑے تو سالم رضی اللہ عنہ ایک گڑھا کھود کر اس میں پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے اور للکارے:

"مسلمانو، افسوس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں تو ہم اس طرح میدان نہیں چھوڑتے تھے۔"

ان کی للکار سے مسلمانوں کے اکھڑے قدم پھر جم گئے۔ ایک مجاہد نے غلط فہمی کی بنا پر کہہ دیا:

”ہمیں تمہاری طرف سے اندیشہ ہے، تم یہ علم کسی دوسرے کو دے دو۔“

یہ سن کر انھیں جوش آ گیا اور فرمایا:

”اگر میں اپنے آپ کو مسلمانوں کی علم برداری کا اہل ثابت نہ کروں تو مجھ سے بڑھ کر بدنصیب حاملِ قرآن کوئی نہیں۔“

ابھی یہ الفاظ منہ ہی میں تھے کہ مرتدوں کا ایک زبردست ریلا آیا۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ اس جوش سے لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے، لیکن مرتدوں کا وہ ہجوم تھا کہ کسی طرح بھی کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک بدبخت نے دائیں ہاتھ پر تلوار کا بھرپور وار کیا، وہ کٹ کر دور جا گرا، انھوں نے علم بائیں ہاتھ میں تھام لیا، وہ بھی کٹ گیا تو دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کا حلقہ بنا کر علم کو تھام لیا اور سینے سے چمٹا لیا۔ آخر مرتدوں نے تیروں، تلواروں اور نیزوں کے وار کر کے آپ کو چھلنی کر دیا۔

نزع کے عالم میں انھوں نے لوگوں سے پوچھا:

”ابوحذیفہ کا کیا حال ہے؟“

انھیں بتایا گیا:

”وہ جام شہادت نوش کر گئے۔“

اب انھوں نے پوچھا:

''میرا وہ بھائی کہاں ہے، جس نے مجھ پر اعتراض کیا تھا؟''

لوگوں نے بتایا:

''وہ بھی رتبۂ شہادت حاصل کر چکے ہیں۔''

تب آپؓ نے فرمایا:

''مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کرنا۔''

ان الفاظ کے بعد آپؓ کی روح پرواز کر گئی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب ان کی روح نکلی، اس وقت ان کا سر حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے قدموں میں تھا۔

آپؓ نے شہادت کے وقت ترکے میں ایک گھوڑا، ہتھیار اور معمولی اسباب کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ تمام عمر جو کماتے رہے، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے، آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ چیزیں بیت المال میں جمع کرا دیں۔

آپ کے فضائل اور کمالات کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے قدردان تھے کہ جب آپؓ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا:

''اگر آج سالم موجود ہوتے تو خلافت کے لیے انھیں نامزد کرتا، مجلس شوریٰ کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔''

شہادت کے وقت حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی عمر 54 سال تھی۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔

☆☆☆

کایاپلٹ

سہیل بن عمرو کو کسی نے بتایا:

''تمہارے دو بیٹوں ابوجندل اور عبداللہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔''

یہ سنتے ہی وہ شدید غصہ کی حالت میں بیٹوں کے پاس پہنچے، پہلے تو انھیں خوب مارا، پھر زنجیروں سے جکڑ دیا۔

کچھ وقت بعد انھیں ایک اور اطلاع ملی۔

''تمہاری دو شادی شدہ بیٹیوں سہلہ اور ام کلثوم نے بھی اپنے شوہروں سمیت اسلام قبول کرلیا ہے۔''

اب تو اور زیادہ غصہ آیا۔ ان سب پر مظالم ڈھانے لگے۔ یہاں تک کہ ظلم سے تنگ آ کر ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ موقع پا کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ تک باپ کی سختیاں برداشت کرتے رہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی کچھ عرصہ بعد حبشہ سے واپس آ گئے اور پھر باپ کے شکنجے میں پھنس گئے۔

سہیل بن عمرو کو نہ اپنے بیٹوں کی کوئی پروا تھی نہ بیٹیوں کی۔ اسلام دشمنی کا جو راستہ انھوں نے اپنایا تھا، اسی پر چلتے رہے، بلکہ جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا، وہ اسلام دشمنی میں اور زیادہ سخت ہوتے جارہے تھے۔ دن رات اسی دشمنی میں بسر کرتے تھے۔ کچھ مدت بعد مدینہ منورہ سے کچھ لوگ حج کی غرض سے مکہ آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان میں خزرج قبیلے کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ کبیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات جب واپس مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مشرکین کے ہاتھ لگ گئے۔ انھیں پکڑنے والوں میں سہیل بن عمرو بھی شامل تھے۔ انھوں نے مل کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مارنا شروع کردیا۔ پھر انھیں باندھ دیا گیا۔ سر کے بال پکڑ کر گھسیٹنے لگے۔ خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ لوگ مجھے بری طرح مار پیٹ رہے تھے تو ایک سرخ وسفید رنگ کا خوب صورت آدمی میری طرف آتا نظر آیا، میں نے خیال کیا، یہ شخص معقول ہے، ضرور مجھ سے ہمدردی کرے گا، مجھے ان کے ظلم وستم سے نجات دلائے گا، لیکن میرا خیال غلط نکلا، وہ بھی انھی کا ساتھی تھا، بلکہ ان سے زیادہ سخت ظالم تھا۔ اس نے آتے ہی میرے منہ پر اس قدر زور دار تھپڑ رسید کیا کہ میرا منہ گھوم گیا۔ ایک روایت میں منہ پر گھونسہ مارنے کے الفاظ ہیں۔ اب میں نے جان لیا کہ ان لوگوں میں کوئی خیر نہیں ہے۔ آخر ایک مشرک ابوالبختری بن ہشام کو میری حالت پر کچھ ترس آیا، اس کی مدد سے اس ظلم وستم سے نجات پاسکا، لیکن جس

کے بارے میں، میں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ مجھ پر ترس کھائے گا، اس نے تو الٹا اور ظلم کیا تھا اور یہ تھے سہیل بن عمرو۔

2 ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ سہیل بن عمرو بڑے جوش کے عالم میں دوسرے مشرکوں کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے گئے، لیکن بدر کے میدان میں قریش کو شکست فاش ہوئی تو اب یہی سہیل حضرت مالک بن وخشم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ قید ہو گئے۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے گئے تو انھیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان نے جوش مارا۔ آج وہ شخص ان کے قبضہ میں تھا جس نے سالہا سال مسلمانوں پر ظلم کے تیر برسائے تھے، زبان سے بھی آگ کے شعلے اگلے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اگر اجازت ہو تو میں سہیل کے اگلے دو دانت توڑ دوں تا کہ اس کی تقریر کی قوت جاتی رہے۔''

دراصل یہ زبردست قسم کے مقرر تھے، اپنی تقریر سے لوگوں کے جذبات میں آگ لگا دیتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں عمر! ایسا نہ کرو، اللہ نے اسے خطابت کی جو صلاحیت عطا فرمائی ہے، شاید کبھی تمھیں اس سے فائدہ پہنچ جائے اور تم خوش ہو جاؤ۔''

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے فدیہ لے کر انھیں آزاد کر دیا۔

غزوہ بدر کے بعد سہیل غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں بھی قریش کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آئے، لیکن ہر بار انھیں ناکامی ہوئی۔ مسلسل ناکامیوں کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا، بدستور اسلام دشمنی میں لگے رہے۔

6 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرے کا احرام باندھ کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے مسلمانوں کو روکنے کی تیاریاں کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ارادوں کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ایک منزل ادھر حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا اور قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے، ہم تو صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، اس مقام پر کفار سے ایک صلح نامہ لکھا گیا۔ اسی کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ اس صلح نامے کے لیے قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ سہیل بن عمرو نے اس موقع پر بھی بہت سخت رویہ اختیار کیا۔ ان کے بیٹے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ خود کو کسی طرح زنجیروں سے چھڑا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے، سہیل بن عمرو نے صلح نامہ لکھنے کی شرط لگا دی کہ پہلے حضرت ابوجندل کو ان کے حوالے کیا جائے۔ اس طرح انھیں واپس ان کے حوالے کرنا پڑا۔ اس موقع پر حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ دھاڑیں مار مار کر روئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صبر کی تلقین کی اور فرمایا:

''بہت جلد بہتر نتیجہ ظاہر ہوگا، فکر نہ کرو۔''

غرضیکہ اس وقت تک بھی سہیل بن عمرو کا ظلم اسی طرح جاری رہا۔ آخر 8 ہجری میں

مکہ فتح ہوا۔اس وقت سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ نے قریش کے ایک گروہ کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دستہ نے ان کا مقابلہ کیا اوران کے مقصد میں ناکامی سے دوچار کیا۔ان میں سہیل بن عمرو بھی تھے، یہ اپنے گھر جاچھپے۔اب وہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔انھی عبداللہ کے پاس جن پر کئی سال سے برابر ظلم کرتے رہے تھے۔ان سے کہا:

''اے میرے بیٹے! جیسے بھی ہو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میری سفارش کرو، میری جان بخشی کراؤ۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ باپ کا ظلم بھول گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی:

''اللہ کے رسول! میرے والد کو امان دیجیے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قربانیوں سے خوب آگاہ تھے، لہٰذا فرمایا:

''سہیل اللہ کی امان میں ہیں، کسی مسلمان کو اجازت نہیں کہ انھیں نقصان پہنچائے، سہیل باشعور انسان ہیں، ایسا شخص اسلام کی نعمت سے محروم نہیں رہ سکتا۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ خبر والد کو سنائی۔وہ سنتے ہی پکار اُٹھے:

''اللہ کی قسم! محمد بچپن میں بھی نیک تھے، اس عمر میں بھی نیک ہیں۔''

پھر حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور اسلام لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سو اونٹ عطا فرمائے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی زندگی بالکل بدل گئی۔ کثرت سے عبادت کرنے لگے۔ اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنے لگے، پہلے اسلام کے دشمن تھے، اب اسلام سے دشمنی کرنے والوں کے دشمن بن گئے۔ غزوہ حنین میں حصہ لیا۔ اپنے گزشتہ گناہوں اور مظالم کو یاد کر کے روتے رہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب لوگ دھڑا دھڑ مرتد ہونے لگے تو یہ ثابت قدم رہے۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور شہادت پائی تو کہا کرتے تھے:

''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ شہید قیامت کے دن اپنے خاندان کے ستر افراد کی سفارش کرے گا۔ مجھے امید ہے، عبداللہ سب سے پہلے میری سفارش کرے گا۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں روم کے خلاف جہاد کا اعلان ہوا تو حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے خاندان سمیت اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے۔

مورخ واقدی کی روایت کے مطابق انھوں نے شام کی بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ جانبازی اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا۔ رات کو عبادت کرتے، دن کو جہاد کرتے۔ گویا خود کو دین کے لیے وقف کر دیا تھا۔

شام کی سب سے خوفناک لڑائی جنگ یرموک تھی۔ اس میں حضرت سہیل رضی اللہ

عنہ اسلامی فوج کے ایک دستے پر سالار مقرر تھے۔ جنگ کے پہلے دن ساٹھ ہزار عیسائی مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صرف ساٹھ مجاہدین ساتھ لے کر ان کے مقابلے پر نکلے۔ یعنی ایک مسلمان کے مقابلے پر ایک ہزار کافر تھے اور دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ایک ہزار کے مقابلے پر ایک آدمی آیا ہو، پھر آسمان نے یہ نظارہ دیکھا کہ ان ساٹھ مجاہدین نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ بڑی بے جگری سے کیا۔ ان میں سے ایک حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔ رات کی تاریکی پھیلنے تک یہ ساٹھ مجاہد دشمن سے لڑتے رہے۔ اس دوران انھوں نے سینکڑوں کو قتل کیا۔ جب کہ مسلمانوں کے صرف دس آدمی شہید ہوئے۔

آخر جنگ یرموک شروع ہوئی اور اس جنگ کے دوران ہی حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے:

"حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ! زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر گئے۔ اس حالت میں انھوں نے کہا:

"پانی... پانی۔" ایک مجاہد دوڑ کر پانی لے آئے۔ انھوں نے پیالہ منہ سے لگایا تھا کہ اسی وقت نزدیک سے ایک زخمی مجاہد کی آواز سنائی دی:

"پانی..."

انھوں نے فوراً پیالہ منہ سے ہٹالیا اور فرمایا:

''پہلے میرے اس بھائی کو پانی پلاؤ۔''

ان کے پاس پانی لے جایا گیا تو تیسری آواز سنائی دی، انھوں نے بھی کہا:

''پہلے میرے اس بھائی کو پلاؤ۔''

پانی جب تیسرے کے پاس لایا گیا تو وہ دم توڑ چکا تھا، پانی پلانے والے ساتھی جلدی سے واپس پلٹے تاکہ دوسروں کو پلادیں۔ وہاں پہنچے تو وہ دم توڑ چکے تھے۔ یہ حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ پانی اس طرح سات آدمیوں تک لایا گیا... اور ساتوں دم توڑ گئے۔ یعنی پانی پانی کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن مرتے وقت بھی دوسروں کو ترجیح دیتے رہے۔ یہ اسلامی اخوت کی ایسی مثال ہے، جسے پوری دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

آپ کی شہادت کے بارے میں مشہور روایت وہی ہے جو اوپر ذکی کی گئی تاہم مؤرخ ابن سعد کے مطابق حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے 18 ہجری میں طاعون سے وفات پائی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہار حمتیں ہوں۔ آمین

☆☆☆

بنو تمیم کے سردار

وہ بستر مرگ پر پڑے تھے۔ان کے تمام بیٹے ان کے بستر کے گرد جمع تھے۔بیٹوں کی تعداد 32 تھی۔اپنے آخری وقت میں انھوں نے بیٹوں کو نصیحت کی:

"پیارے بیٹو! میں اب تم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتا ہوں۔میری باتیں غور سے سنو، جب میں مر جاؤں تو اپنے سب سے بڑے بھائی کو اپنا سردار بنالینا۔اگر چھوٹے کو بنایا تو لوگ تم پر انگلیاں اٹھائیں گے۔ہمیشہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنا۔میری موت پر رونا دھونا نہیں، چیخنے چلانے سے پرہیز کرنا، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔اپنے مال کی اصلاح اور حفاظت سے غافل نہ ہونا، اس سے شریف لوگوں کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔کم ظرف لوگوں کا احسان نہیں لینا چاہیے۔ اپنے اونٹوں کو نام ونمود کی خاطر ادھر ادھر دوڑاتے نہ پھرنا۔(اس وقت کی سواری اونٹ تھا، آج کار سمجھ لیں، کچھ دولت مند نام ونمود کے لیے کاریں بلاوجہ ادھر ادھر دوڑاتے نظر آتے ہیں) البتہ ضرورت کے وقت انھیں ضرور استعمال کرنا۔کم اصلوں میں رشتے نہ کرنا، ہوسکتا ہے اس سے تمھیں وقتی خوشی حاصل ہو جائے، لیکن ایسا کرنے میں جو نقصانات

پوشیدہ ہیں، یہ وقتی خوشی ان کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اپنے دشمن کی اولاد سے ہوشیار رہنا، ہوسکتا ہے، وہ اپنے بزرگوں کی طرح دل میں تم سے عناد رکھتی ہو۔ جاہلیت کے زمانے میں میری بکر بن وائل قبیلہ سے دشمنی رہ چکی ہے، اس لیے میری قبر ان سے اتنی دور بنانا کہ وہ وہاں پہنچ نہ سکیں۔ ورنہ ڈر ہے کہ انتقام کے جوش میں وہ میری قبر کھود ڈالیں اور تم بدلہ لینے کے لیے ایسا کچھ کر گزرو جو تمہاری آخرت برباد کردے۔''

یہاں تک کہہ کر وہ ذرا دیر کے لیے رکے، پھر ایک تیر اپنے بڑے بیٹے کو دیا، اس سے کہا:

''اس کو توڑ دو۔''

اس نے تیر لیا اور توڑ دیا۔ اب انھوں نے دو تین تیر اکٹھے دیے اور فرمایا:

''ملا کر ان کو توڑو۔''

وہ اس طرح ان کو نہ توڑ سکے۔ سب نے زور لگایا، لیکن تیر نہ ٹوٹے۔ اب وہ بولے:

''تم نے دیکھا، ایک تیر کتنی آسانی سے ٹوٹ گیا، لیکن جب تیر آپس میں مل گئے تو تم ان کو توڑ نہیں سکے، اسی طرح اگر تم سب بھائی آپس میں اتحاد اور اتفاق سے رہے تو کوئی تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، لیکن اگر تم الگ الگ ہو گئے تو تمہارا حال اس اکیلے تیر جیسا ہوگا۔ یاد رکھو اتفاق و اتحاد میں برکت کا راز چھپا ہے۔''

اس وصیت کے بعد ان کے والد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت قیس بن عاصم منقری تمیمی رضی اللہ عنہ تھے۔

آپ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تھا:

''تم میں جو زمانہ جاہلیت میں بلند مرتبہ تھے، وہ اسلام میں بھی بلند مرتبہ ہیں۔''

مطلب یہ کہ حضرت قیسؓ بن عاصم اپنے قبیلے منقری کے سردار تھے۔نہایت دولت منداور رعب ودبدبے کے مالک تھے۔ان کی شہ سواری اور سخاوت کی دھوم تھی۔معاملات میں لوگ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔لوگوں کے آپس کے جھگڑے نمٹاتے تھے،اوراس کام میں انھیں بہت مہارت حاصل تھی۔بکر بن وائل قبیلہ سے ان کی پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔اکثر جنگ و جدل کی نوبت آجاتی۔حضرت قیسؓ بن عاصم اپنی جنگی چالوں سے دشمن کو تنگ کردیتے تھے۔

انھیں شعروشاعری سے بھی لگاؤ تھا۔جاہلیت کے زمانے میں انھوں نے اپنی ایک بچی کو زندہ دفن کیا تھا جیسا کہ اس وقت لوگ عام طور پر کرتے تھے۔اپنے اس فعل پر انھیں تمام زندگی رنج رہا۔

جوانی میں شراب کے بھی عادی تھے،قریب قریب اس وقت سبھی نوجوان اس لت میں مبتلا تھے۔ایک بار انھوں نے اتنی شراب پی کہ عقل جواب دے گئی۔ہوش آیا تو بہت شرمسار ہوئے۔منہ چھپاتے پھرے اور پھر شراب نوشی سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی۔یہ تمام باتیں اسلام سے پہلے کی ہیں۔

9ہجری میں ان کا خاندان بنوتمیم جاہلیت کے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مدینہ منورہ آیا۔ اس وفد میں ستّر،اسّی آدمی تھے۔ان میں حضرت قیسؓ بن عاصم بھی تھے۔قبیلہ بنوتمیم کے دماغوں میں خاندانی فخر اور غرور بھرا ہوا تھا۔اپنے ساتھ چوٹی کے خطیب اور شاعر لائے

تھے تا کہ مسلمانوں پر اپنی خطابت اور شاعری کی دھاک بٹھا سکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرۂ مبارکہ کے باہر آ کر بلند آواز سے کہنے لگے:

''محمد! باہر آؤ، اور ہماری بات سنو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انداز نا گوار گزرا، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کچھ نہ کہا۔ باہر تشریف لائے، مسکرا کر ان سے ملے۔ وفد کے ایک رئیس اقرع بن حابس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''محمد! ہم بنوتمیم کے لوگ ہیں، ہمارا دعویٰ ہے کہ کوئی قوم کسی بھی معاملے میں، ہم سے بڑھ کر نہیں ہے، ہم اسلام قبول کرنے سے پہلے خطابت اور شعروشاعری کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔''

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں شعروشاعری کے لیے مبعوث نہیں ہوا، لیکن اگر تم اسی لیے آئے ہو تو ہم اس میدان سے باہر بھی نہیں ہیں، تم اپنا کمال دکھاؤ، ہم جواب دیں گے۔''

اس پر بنوتمیم کے شعلہ بیان خطیب عطارد بن حاجب کھڑے ہوئے اور ایک زبردست خطبہ دیا۔ اس میں اپنے قبیلہ کی خوبیاں بیان کیں اور یہ ثابت کیا کہ کوئی قوم بنوتمیم کے برابر نہیں۔

ان کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کی تقریر کا جواب دیں۔ انھوں نے اللہ کی تعریف کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت اور مہاجرین اور انصار کی فضیلت ایسے انداز میں بیان کی کہ ساری مجلس پر سکتہ طاری ہو گیا، اس کے بعد اشعار کی باری آئی۔ بنوتمیم کے سحر البیان شاعر زبرقان

بن بدر نے اپنی قوم کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔ان کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کی شاعری کا جواب دیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایسے اشعار سنائے کہ سب حیران رہ گئے۔ پھر یہ اشعار پہلے سے تیار نہیں کیے گئے تھے، جیسے کہ زبرقان پہلے سے تیار کر کے لائے تھے۔آخر وہ پکار اٹھے:

''محمد! ہمارے خطیب سے آپ کے خطیب اور ہمارے شاعر سے آپ کے شاعر افضل ہیں۔''

اس کے بعد وہ سب کے سب اسلام لے آئے۔اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''یہ صحرانشینوں کے سردار ہیں۔''

ابن سعد نے لکھا ہے کہ پھر آپ نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو صدقات کی وصولی کا کام سونپ دیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت دولت عطا کی تھی۔اونٹ اور دوسرے مویشی ہزاروں کی تعداد میں تھے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''تمھیں اپنا مال پسند ہے یا اپنے وارثوں کا۔''

انھوں نے جواب دیا:

''اللہ کے رسول! مجھے اپنا مال پسند ہے۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''تمہارا مال تو وہی ہے جس کو تم کھا پی لو یا پہن اور اوڑھ کر بوسیدہ کر دو یا راہ حق میں صرف کر دو، ورنہ بچا رہنے والا مال تو تمہارے وارثوں کا ہی ہے۔''

اس پر انھوں نے کہا:

''زندگی نے مہلت دی تو اونٹوں کے گلے جلد ختم کر دوں گا۔''

چنانچہ انھوں نے وفات سے پہلے ان کا بڑا حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کر کے ختم کر دیا۔ جاہلیت کے زمانے میں جس بچی کو دفن کیا تھا، اس کا کفارہ بھی ادا کیا۔

آپ بہت نرم مزاج تھے۔ اسلام لانے کے بعد اور زیادہ نرم ہو گئے۔ ایک مرتبہ ان کے ایک بیٹے کو ان کے بھتیجے نے قتل کر دیا۔ لوگ اسے پکڑ کر ان کی خدمت میں لے آئے۔ انھوں نے فرمایا:

''بھتیجے! تم نے کتنا برا کام کیا ہے، اپنے مسلمان بھائی کو قتل کر کے، اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کی ہے، وہ تمہارا چچازاد بھائی تھا، اس لیے تم نے قطع رحمی بھی کی ہے۔''

دیر تک اسے نصیحتیں کرتے رہے، پھر دوسرے بیٹے سے فرمایا:

''اسے کھول دو، جانے دو اور اپنے بھائی کے کفن دفن کا انتظام کرو۔''

مؤرخوں کا خیال ہے کہ آپ نے غزوہ تبوک میں شرکت کی تھی۔

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 14 ہجری میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔

☆☆☆

روشنی کرنے والے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا۔ اس سلسلے میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے زمین کا ایک ٹکڑا پسند فرمایا۔ اس زمین کے مالک دو یتیم بچے حضرت سہل اور حضرت سہیل رضی اللہ عنہما تھے۔ ان بچوں اور ان کی والدہ نے زمین قیمت کے بغیر دینے کی خواہش ظاہر کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمھیں اجر عطا فرمائے۔ میں یہ زمین قیمت کے بغیر نہیں لوں گا۔''

چنانچہ انھیں قیمت ادا کی گئی۔ اس کے بعد اس کی تعمیر شروع ہوئی۔ صحابہ کرام نے مسجد کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پتھر اور گارا ڈھوتے نظر آئے۔ اس طرح کچھ عرصہ میں دنیا کی یہ مقدس مسجد تیار ہوگئی۔ یہ مسجد کچی اینٹوں کی تھی، پتھر بھی استعمال کیے گئے تھے۔ کھجور کی شاخوں اور تنوں کو کام میں لایا گیا تھا۔

مسجد میں رات کے وقت روشنی کا انتظام نہیں تھا۔ رات کے وقت مسجد تاریک رہتی، البتہ چاندنی راتوں میں لوگ چاند کی روشنی میں نماز ادا کرتے۔

ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو مسجد خوب روشن تھی، اس میں قندیلیں روشن کر کے رکھ دی گئی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کو روشن دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''یہ آج مسجد میں روشنی کس نے کی؟''

صحابہ کرام نے ایک صحابی کی طرف اشارہ کر دیا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا اور انھیں دعائیں دیں اور فرمایا:

''اگر میرے ہاں کوئی کنواری لڑکی ہوتی تو میں اس کا نکاح تم سے کر دیتا۔''

اس وقت مسجد نبوی میں آپ کے چچا زاد بھائی نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انھوں نے فوراً عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میری لڑکی بیوہ ہوگئی ہے، اگر آپ چاہیں تو اس کا نکاح ان سے کر دیں۔'' آپؐ نے تجویز منظور فرمائی اور اسی وقت نکاح کر دیا۔

یہ صاحب جنھوں نے سب سے پہلے مسجد روشن کی اور جن کا نکاح اس طرح ہوا اور جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد روشن کرنے کی بنیاد پر دعائیں دیں، حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت تمیمؓ بن اوس شام کے رہنے والے تھے۔ پہلے عیسائی تھے، ان کے باپ دادا میں سے ایک شخص کا نام دار تھا، اسی نسبت سے یہ داری مشہور ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت نیک طبیعت عطا فرمائی تھی۔ مکہ اور مدینہ کے اکثر لوگ

تجارت کے لیے ان کے ملک شام جاتے رہتے تھے، ان حضرات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بارے میں سنا تو بے چین ہوگئے۔ حق کی طرف جھک گئے، لیکن کافی عرصہ تک اپنے آبائی وطن سے نکلنے کا موقع نہ پاسکے۔ یوں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ 9 ہجری میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔ اگر چہ بہت بعد میں اسلام لائے، لیکن پھر بھی بڑے صحابہ میں شمار ہوئے، اسلام لانے کے بعد مدینہ منورہ ہی میں رہائش اختیار کی۔

مؤرخ ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شام سے مدینہ آتے ہوئے یہ اپنے ساتھ چند قندیلیں اور ان میں جلانے کا تیل لائے تھے، مسجد نبوی کو انھوں نے ان قندیلوں سے روشن کیا تھا۔

یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اللہ کے گھر میں روشنی کا انتظام کیا۔ یاد رہے کہ ان کا مسجد میں روشنی کا انتظام کرنا ضرورت کی وجہ سے تھا۔ اندھیرے سے سب کو تکلیف ہوتی تھی روشنی سے عبادت کرنے، آنے جانے، تلاوت کرنے، پڑھنے لکھنے سب کاموں میں سہولت پیدا ہوگئی۔ مسجد میں روشنی کا ایسا انتظام ثواب کا کام ہے۔ مگر اس واقعہ سے رسم ورواج کے طور پر مخصوص راتوں میں مسجدوں میں چراغاں کرنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ چراغاں کرنا بلاضرورت اور فضول خرچی ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں۔

ایمان لانے کے بعد حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں شرکت کی۔

کچھ چھوٹی مہمات میں بھی شریک ہوئے اور جہاد کرتے رہے۔

آپ نے قرآن کا علم بھی حاصل کیا اور عالموں میں شمار ہوئے، بلکہ آپ قرآن کو جمع کرنے والے صحابہ کرامؓ میں شامل ہیں۔ اسلام سے پہلے چونکہ عیسائی تھے، اس لیے انجیل سے بھی واقف تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گزر اوقات کے لیے انھیں ملک شام کا ایک گاؤں بطور جاگیر عطا فرمایا اور اس کا تحریری فرمان لکھ کر انھیں دے دیا، جب کہ ابھی شام فتح نہیں ہوا تھا۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں مدینہ منورہ میں نہیں رہے بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور تک وہیں رہے۔ پھر اپنے وطن شام چلے گئے اور باقی زندگی آپ نے اپنے گاؤں میں گزاری۔ آپ نے وہیں 40 ہجری میں وفات پائی۔ آپ کے ہاں صرف ایک کی ولادت ہوئی۔ جن کا نام رقیہ تھا۔ اسی نسبت سے آپ ابو رقیہ کہلاتے تھے۔

آپ کا شمار عالم فاضل صحابہ میں ہوتا ہے۔ عبادت گزار بہت تھے۔ اپنے اوقات کا زیادہ تر وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ اکثر ساری رات نماز پڑھتے رہتے۔ تہجد کی تو سختی سے پابندی کرتے تھے۔ اللہ کا خوف بہت تھا۔ قرآن کریم کی آیات پر اکثر رو دیتے۔

ایک شخص نے آپ سے پوچھا ''آپ رات بھر میں کتنی رکعات پڑھ لیتے ہیں؟''

اس سوال سے ناراض ہوئے، فرمایا:

''میں لوگوں کی نظروں سے چھپ کر رات بھر میں صرف دو رکعت نماز پڑھ لوں، یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کو بتاتا پھروں کہ میں رات بھر میں اتنی رکعات پڑھتا ہوں۔''
مطلب یہ کہ ریا کاری سے بہت بچتے تھے۔

ایک دن ان کے ایک شاگرد ان سے ملنے کے لیے گئے۔ انھوں نے دیکھا، وہ گھوڑے کے لیے دانہ صاف کر رہے تھے اور گھر کے دوسرے افراد ان کے پاس بیٹھے تھے۔ شاگرد نے حیران ہو کر پوچھا:

''کیا یہ کام گھر میں کوئی اور نہیں کر سکتا؟''

حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بھائی! کرنے کو تو کر سکتا ہے، لیکن اس صورت میں میرا اجر جاتا رہے گا۔ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، جب کوئی مسلمان اپنے گھوڑے کے لیے (جہاد کی تیاری کی نیت سے) دانہ صاف کرتا ہے اور پھر اس کو کھلاتا ہے، تو ہر دانے کے بدلے اسے ایک نیکی ملتی ہے۔''

آپ عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے:

''تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچائے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک بار حَرہ کے مقام پر آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے پھیل جانے سے کھجور کے باغات جل سکتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھیں آگ بھڑک اٹھنے کی اطلاع دی۔

حضرت تمیم فوراً حَرہ گئے اور خود کو خطرے میں ڈال کر اس آگ کو بجھایا، مطلب یہ کہ لوگوں کے لیے ان میں خیر کا جذبہ بہت تھا، اسی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں "خیرُ اھلِ المدینة" کا خطاب دے رکھا تھا۔ لوگ انھیں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ آمین

☆☆☆

شہ سوار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کر رہے تھے، رات کا وقت تھا اور علاقہ صحرائی۔ آپ ؐ کے ساتھ کافی بڑی تعداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے، ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ خیال آیا، اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔

''لوگو! پانی تلاش کرو، ورنہ صبح پیاسے اٹھو گے۔''

یہ ارشاد مبارک سن کر تمام صحابہ چونک اٹھے پانی کی تلاش میں دور دور تک پھیل گئے۔ لیکن ان میں سے ایک ایسے تھے جو پانی کی تلاش میں نہیں گئے۔ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑنا گوارا نہ کیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے ساتھ ساتھ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر اونگھ رہے تھے۔ جب آپ نیند کی حالت میں کسی طرف جھکتے تو یہ فوراً آگے بڑھتے اور ٹیک لگا دیتے' اس دوران ایک مرتبہ اونگھ زیادہ گہری ہوگئی اور خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں آپ گر نہ پڑیں تو انھوں نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے سہارا دیا۔ ایسے میں اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور فرمایا:

''کون....؟''

انھوں نے اپنا نام بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''کب سے میرے ساتھ ہو؟''

انھوں نے بتایا، غروب آفتاب سے ساتھ ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خوش ہوئے اور انھیں دعا دی۔

''اللہ تمہاری حفاظت کرے جس طرح تم نے میری حفاظت کی۔''

یہ صحابی حارث بن ربعی انصاری تھے۔ لیکن انھیں اس نام سے بہت کم لوگ جانتے ہوں گے۔ یہ اپنی کنیت کے نام سے مشہور تھے۔ یعنی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہ سوار کے لقب سے بھی مشہور ہوئے، کیونکہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بہترین شہ سوار قرار دیا تھا۔

آپ اعلان نبوت کے دو یا تین سال بعد مدینہ میں پیدا ہوئے۔ جب مدینہ کے انصار میں اسلام شروع ہوا، اس وقت آپ بہت چھوٹے تھے۔ انصار میں سے جو لوگ بالکل شروع میں اسلام لائے، ان میں یہ بھی شامل ہیں۔ غزوۂ بدر میں کم عمر ہونے کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔ اس کے بعد احد، خندق، حنین وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ہر معرکے میں ان کی بہادری کی دھاک بیٹھتی چلی گئی۔ بہت اچھے شہ سوار تھے، کمال کے نیزہ باز تھے۔ تلوار چلانے میں بھی بہت ماہر تھے۔ انصار میں سے انھیں صف شکن مانا جاتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ اسی لیے آپؐ کے اشارے پر جان کی بازی لگانے کے لیے تیار رہتے تھے۔

6ھ میں عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے چند میل دور غابہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور گلہ بان حضرت ذر بن ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں ہانک کر لے چلا۔ اتفاق سے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اور آپؐ کے ایک غلام حضرت رباح رضی اللہ عنہ اس طرف آ نکلے۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع غضب کے تیز رفتار اور ماہر تیر انداز تھے، اگرچہ کم عمر تھے، انھوں نے ان ڈاکوؤں کا تعاقب شروع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کو مدینہ کی طرف بھیج دیا۔ خود ڈاکوؤں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام حضرت رباح رضی اللہ عنہ سے اطلاع پا کر چند صحابہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان ڈاکوؤں کا پیچھا کریں۔ چنانچہ حضرت ابوقتادہ، مقداد بن اسود کندی اور اخرم اسدی رضی اللہ عنہم گھوڑوں پر سوار ہو کر بجلی کی سی تیزی سے روانہ ہوئے، ادھر سلمہ بن اکوع نے انھیں الجھایا ہوا تھا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال چکے تھے کہ یہ حضرات پہنچ گئے۔ اخرم اسدی رضی اللہ عنہ تو اس مقابلے میں شہید ہو گئے۔ حضرت ابوقتادہ اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہما نے ڈاکوؤں کا مردانہ وار مقابلہ شروع کر دیا۔ ان کی آمد سے سلمہ بن اکوع خطرے سے نکل آئے۔ تینوں نے ڈاکوؤں کو ٹھکانے لگانا شروع کیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے کچھ اور صحابہ کرامؓ موقع پر پہنچ گئے۔ لٹیرے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ ان حضرات نے تعاقب کیا۔ بہت سے ڈاکوؤں کو ہلاک کرنے کے بعد اونٹنیوں کو واپس لے آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعہ سن کر ان جانبازوں کی تعریف فرمائی۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

''آج کے دن ابوقتادہ بہترین سوار تھے۔''

6ھ میں انھیں بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یعنی بیعت کرنے والے ان چودہ سو صحابہ میں شامل ہوئے، جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور جنھیں اللہ نے اپنی خوشنودی اور جنت کی بشارت سے نوازا۔

۸ھ میں فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا، اس کے شروع شروع میں صحابہ کرام کو پسپائی ہوئی، دشمن کی تیراندازی سے ان کی صفیں بکھر گئیں، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جو جاں نثار صحابہ موجود رہے ان میں حضرت ابوقتادہ بھی تھے۔ ان لمحات میں ایک مشرک نے پیچھے سے ایک صحابی پر حملہ کیا تو یہ فوراً آگے بڑھے اور تلوار سے اس کا بازو اڑا دیا۔ لیکن وہ بہت شہ زور تھا، دوسرے بازو سے اس نے ابوقتادہ کو دبوچ لیا اور اس قدر زور سے دبایا کہ وہ بے بس ہو گئے، لیکن بہت باہمت تھے، اسی حالت میں اپنا خنجر نکال کر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ اس طرح وہ جہنم رسید ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب فتنہ برپا ہوا، لوگ مرتد ہونے لگے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گیارہ لشکر ترتیب دیے۔ ان میں سے ایک لشکر کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ان کے لشکر میں شریک تھے۔ اس لشکر نے نبوت کے جھوٹے دعوے دار طلیحہ اسدی کو شکست دی۔ اس لڑائی میں بھی حضرت ابوقتادہؓ نے شجاعت کے جوہر دکھائے۔

آپ کا شمار عالم فاضل صحابہ میں ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں وفات پائی۔

ایک مرتبہ آپ نے کسی کو قرض دیا۔ مقررہ مدت گزرنے پر آپ قرض لینے کے لیے گئے تو وہ صاحب چھپ گئے۔ کئی بار ایسا ہوا۔ ایک دفعہ گئے تو وہ صاحب گھر پر موجود تھے۔ انھوں نے آواز دی، انھوں نے جواب نہ دیا۔ اتنے میں ان صاحب کا کمسن بچہ باہر آ گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ بچے نے بتایا، اندر ہیں، کھانا کھا رہے ہیں۔ تب آپ بلند آواز سے بولے:

''مجھے معلوم ہو گیا ہے، تم اندر ہو اور کھانا کھا رہے ہو، اب باہر نکل آؤ، چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

وہ صاحب باہر نکل آئے۔ آپ نے پوچھا۔

''میں بار بار آتا ہوں اور تم ملتے نہیں، آخر کیوں؟''

ان صاحب نے کہا:

''اپنی مصیبتوں کا دوسروں کے سامنے ذکر کرنا اچھا نہیں لگتا، سچ یہ ہے کہ میں اپنی مصیبت دوسروں سے چھپاتا ہوں، سخت تنگ دست ہوں۔ بال بچوں کی پرورش بھی مشکل سے ہو رہی ہے، میرے پاس کچھ ہوتا تو آپ کا قرض ادا کر چکا ہوتا۔''

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

''کیا واقعی آپ کا حال یہی ہے؟''

انھوں نے جواب دیا۔

''ہاں! اللہ کی قسم میرا یہی حال ہے۔''

یہ سن کران کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، بولے:

''میں تم سے کچھ نہیں لوں گا، میں نے تمہارا قرض معاف کیا۔''

ایک مرتبہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا۔ آپؐ نے پوچھا، مرنے والے پر کچھ قرض تو نہیں، لوگوں نے بتایا کہ دو دینار اس پر قرض ہیں۔ آپؐ نے پوچھا، اس نے کچھ چھوڑا ہے۔ لوگوں نے انکار میں جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

''تم لوگ نماز جنازہ پڑھ لو، میں قرض دار کی نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔''

یہ سن کر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کی:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرنے والے کا قرض میں اپنے پاس سے ادا کر دوں تو آپؐ نماز پڑھا دیں گے''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں! اس صورت میں پڑھاؤں گا۔''

انھوں نے اسی وقت قرض ادا کر دیا اور آپؐ نے نماز جنازہ پڑھا دی۔

آپؓ ایک مرتبہ اپنے شادی شدہ بیٹے کے ہاں گئے۔ نماز کا وقت آیا تو بہو نے وضو کے لیے پانی رکھا۔ اتنے میں ایک بلی آئی اور وضو کے پانی میں منہ ڈال کر پانی پینے لگی۔ کوئی اور ہوتا تو بلی کو بھگا دیتا، لیکن حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے پانی کے برتن کو اور جھکا

دیا تا کہ وہ آسانی سے اپنی پیاس بجھا سکے، نظر اٹھائی تو دیکھا، بہو یہ منظر حیران ہو کر دیکھ رہی ہیں۔ فرمایا:

"بیٹی! اس میں حیرت کی کیا بات، ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلی نجس جانور نہیں ہے، یہ تو گھروں میں آنے جانے والی ہے۔"

سادہ مزاج اس قدر تھے کہ بالوں میں بہت کم کنگھا کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"ابوقتادہ! اپنے بالوں کو درست کرو، آدمی اپنے بالوں کی خبر گیری نہ کر سکے تو منڈوالیا کرے۔"

آپ کو شکار کا بہت شوق تھا، ایک مرتبہ مکہ معظّمہ کے سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، وہ کچھ ساتھیوں کو لے کر نکل گئے اور قریب کی ایک پہاڑی پر چڑھ گئے، وہاں ایک گورخر نظر آیا، ان کے ساتھی احرام کی حالت میں تھے، وہ شکار کر نہیں سکتے تھے، اس لیے نیزہ لے کر اکیلے ہی گورخر کے پیچھے بھاگے۔ اور اسے شکار کر لیا۔ کسی ساتھی نے اس کے اٹھانے میں بھی مدد نہ کی' خود ہی اٹھا کر لائے۔ اس کا گوشت پکایا، کچھ لوگوں نے اس کو کھانے سے پرہیز کیا، اس پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات بتائی، آپ نے فرمایا:

"اس کا کھانا جائز ہے، ضرور کھاؤ، اللہ نے تمہارے لیے بھیجا ہے اور اگر ہو سکے تو میرے لئے بھی لاؤ۔"

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کی بہت خوش ہوئے اور گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

آپؓ فرمایا کرتے تھے۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص لوگوں کو پانی پلا رہا ہو، اسے چاہیے کہ وہ خود سب سے آخر میں پیے، کوئی شخص دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے اور پانی کے برتن میں پھونک نہ مارے۔''

اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔

☆☆☆

جاں نثار

ایک اونٹ پر تین افراد سوار تھے۔ ایک مرد، ایک عورت اور ایک بچہ ان کا رخ مدینہ کی طرف تھا، اچانک ایک تیز آواز ابھری۔

''ٹھہرو! تم جاسکتے ہو، لیکن ہماری بیٹی تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی کئی سواروں نے انھیں گھیر لیا۔ خاتون کو زبردستی اونٹ سے اتار لیا اور واپس مکہ کی طرف لے چلے۔

ایسے میں کچھ اور لوگ وہاں آپہنچے، ان میں سے ایک نے گرج کر کہا۔

''ٹھہرو! تم اپنی لڑکی کو لے جاسکتے ہو، ہمارے بچے کو ساتھ نہیں لے جاسکتے۔''

یہ کہہ کر انھوں نے خاتون سے بچہ چھین لیا۔ اب مرد بے چارہ اکیلا رہ گیا۔ ایک گروہ خاتون کو لے کر چلا گیا، دوسرا بچے کو۔ اسی حالت میں وہ مرد تنہا مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

تین افراد کے گھرانے کے ساتھ یہ سب صرف اور صرف اس لیے ہوا تھا کہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

یہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے سلمہ تھے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی تھا، ابوسلمہ ان کی کنیت تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کا پیغام مکہ کے لوگوں کو سنایا تو حضرت ابوسلمہ اور حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہما فوراً ہی ایمان لے آئے، ان دونوں سے پہلے صرف دس افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ گویا آپ دونوں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل ہیں۔ حضرت ابوسلمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے دار بھی تھے، ان کی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اس طرح آپؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آپؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی بھی تھے اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھی دودھ شریک بھائی تھے۔

دونوں میاں بیوی نے جب اسلام قبول کیا تو دوسرے مسلمانوں کی طرح انھیں بھی ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ کفار کے ظلم جب حد سے بڑھے تو نبوت کے پانچویں سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، اس طرح سب سے پہلے گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ حبشہ روانہ ہوا۔ ان میں حضرت ابو سلمہ اور حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ مکہ کے کافروں کو جب ان کے ارادے کا علم ہوا تو ان کے ایک گروہ نے سمندر کے ساحل تک ان کا پیچھا کیا، لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی قافلے والے جہاز میں سوار ہو چکے تھے اور جہاز روانہ ہو چکا تھا۔ یہ لوگ وہاں تین ماہ ہی ٹھہرے تھے کہ انھیں مکہ کے سب لوگوں کے اسلام لانے کی اطلاع ملی۔ یہ خبر سنتے ہی ان مہاجرین نے مکہ کا رخ کیا۔ مکہ کے قریب پہنچ کر انھیں پتا چلا کہ خبر غلط

تھی، لیکن اب فوری طور پر ان کے لیے حبشہ جانا ممکن نہیں تھا، اس لیے کسی نہ کسی طرح مکہ میں داخل ہو گئے۔ وہاں مسلمانوں پر ظلم و ستم اور بڑھ گئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ نبوت کے چھٹے سال دوسری بار ہجرت ہوئی۔ اس بار 83 مرد اور 20 عورتوں نے ہجرت کی اور حبشہ پہنچ گئے۔ اس قافلے میں بھی ابوسلمہ اور امِ سلمہ رضی اللہ عنہما شامل تھے۔ گویا یہ ان کی دوسری ہجرت تھی۔

اس طرح انھوں نے وہاں کئی سال گزارے۔ آخر یہ دونوں بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ پھر مکہ آ گئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا واقعہ ہے، یہاں پہنچ کر وہ پھر اپنے قبیلے اور دوسرے کافروں کے ظلم کا نشانہ بن گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی ہجرت نہیں کی تھی۔ حضرت ابوسلمہؓ نے کفار کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ کی ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت ان کے پاس ایک ہی اونٹ تھا۔ انھوں نے اس اونٹ پر حضرت اُمِ سلمہؓ اور اپنے ننھے بچے سلمہؓ کو سوار کیا خود اونٹ کی نکیل پکڑی اور پیدل چل پڑے۔ حضرت اُمِ سلمہؓ کے قبیلے بنو مغیرہ کو اس بات کی خبر ہو گئی، انھوں نے اونٹ کو گھیر لیا اور ابوسلمہ سے کہا، تم جا سکتے ہو، لیکن ہماری بیٹی تمھارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ یہ کہہ کر انھوں نے اونٹ کی نکیل حضرت ابوسلمہؓ کے ہاتھ سے لے لی اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی اپنے ساتھ لے چلے۔ اتنے میں حضرت ابوسلمہؓ کے اپنے خاندان کے لوگ یعنی بنو عبد الاسد آ پہنچے، انھوں نے بچے کو چھین لیا اور بنو مغیرہ سے کہا:

''تم نے اپنی لڑکی کو ہمارے آدمی سے چھین لیا، ہم اپنے بچے کو تمہارے پاس کیوں چھوڑیں۔''

یہ کہہ کر بچہ ان سے چھین لیا۔ اس چھینا جھپٹی میں سلمہ کا بازو بھی اتر گیا۔ اب ذرا منظر دیکھیے، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی اور بچہ چھین لیا گیا۔ ماں سے اس کے جگر کا ٹکڑا چھین لیا گیا۔ اور اس معصوم بچے سے اس کے ماں و باپ کو جدا کر دیا گیا۔

اب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تنہا مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو بنو مغیرہ لے گئے اور بچہ بنو عبدالاسد لے گئے، گویا دین کی خاطر تین افراد کا یہ گھرانہ جدائی کی مصیبتیں برداشت کر رہا تھا۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہ کو شوہر اور بچے کی جدائی کا بہت صدمہ تھا، روزانہ گھر سے نکل جاتیں، ایک ٹیلے پر بیٹھ کر روتی رہتیں، پورا ایک سال اسی حالت میں گزرا، ایک دن بنو مغیرہ کے ایک رحم دل اور بااثر شخص نے انھیں اس طرح روتے دیکھا تو اس کا دل نرم ہو گیا۔ اس نے اپنے قبیلہ کو جمع کیا اور ان سے کہا۔

''یہ لڑکی آخر ہمارا خون ہے، ہم کب تک اسے اس کے شوہر اور بچے سے جدا رکھیں گے، اسے اپنے شوہر کے پاس جانے دو۔''

اس نیک آدمی کی بات سن کر دوسروں کو بھی رحم آ گیا۔ انھوں نے حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا سکتی ہیں۔ جب بنو عبدالاسد نے یہ سنا تو انھوں نے بھی بچہ ان کے حوالے کر دیا۔ اب حضرت اُمِّ سلمہؓ نے اپنے بچے سلمہ کو لیا، اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ایک تنہا عورت، اس کے

ساتھ ننھا بچہ اور طویل سفر.... لیکن دین کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کیا جا رہا تھا۔

راستے میں ایک شریف آدمی عثمان بن طلحہ ملے۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ ایک عورت اکیلی اپنے بچے کے ساتھ مدینہ جا رہی ہے تو دل میں سوچا:

''اے عثمان! یہ بات مردانگی کے خلاف ہے کہ مکہ کی ایک بیٹی اس طرح تنہا سفر کرے اور تو اس کی مدد نہ کرے۔''

انھوں نے اونٹ کی نکیل پکڑی اور مدینہ کی طرف لے چلے۔ جب کہیں ٹھہرنا پڑتا تو وہ کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتے، جب چلنے لگتے تو اونٹ تیار کر کے لے آتے۔ غرض اس طرح قبا پہنچ گئے۔ حضرت ابو سلمہ وہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اپنی نیک سیرت بیوی اور بچے کو پا کر انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ عثمان بن طلحہ کا بھی شکریہ ادا کیا۔ وہ یہیں سے واپس مکہ چلے گئے (یہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے، رضی اللہ عنہ) حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کی نیکی کو ہمیشہ یاد رکھا۔ فرمایا کرتی تھیں۔

''میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ ساتھ دینے والا شریف آدمی نہیں دیکھا۔''

غرض حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان تھے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اسی طرح ان کی زوجہ محترمہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا پہلی مسلمان خاتون تھیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں، اور یہ ان کی تیسری ہجرت تھی جو انھوں نے اللہ کی رضا کی خاطر کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے تک حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے قبا میں قبیلہ عمرو بن عوف کے ہاں قیام کیا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے

آئے۔ آپؓ نے مشہور صحابی ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ کرادیا اور انھیں زمین کا ایک ٹکڑا عطا فرمایا۔

2ھ میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر میں شرکت کی، گویا آپ بدری صحابی ہیں۔ 3ھ میں غزوۂ احد میں حصہ لیا جنگ کے دوران ایک مشرک نے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر انھیں مارا۔ آپ کا بازو اس تیر سے زخمی ہوگیا، وہ شدید زخمی ہوگئے، ایک ماہ کے علاج کے بعد زخم تو بھر گیا، مگر زہر اندر ہی اندر کام کرتا رہا۔

3ھ کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قطن پہاڑ کے دامن میں آباد قبیلہ بنو اسد مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو 150 سوار دے کر حکم دیا کہ فوراً روانہ ہو جاؤ اور اس سے پہلے کہ وہ ہم پر حملہ کریں تم ان پر حملہ کردو۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بہت رازداری سے سفر کرتے یکم محرم 4ھ کو یکا یک ان پر ٹوٹ پڑے۔ انھیں اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگے۔ اب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو تین حصوں میں تقسیم کرکے مختلف سمتوں میں ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اس طرح ان مجاہدین نے بنو اسد کے چھکے چھڑا دیے۔ اونٹوں اور بھیڑوں کی بہت بڑی تعداد بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ بنو اسد کو چھپنے کی جگہ بھی نہ مل سکی۔ ان میں سے زیادہ تر مارے گئے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ 29 دن بعد واپس لوٹے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مالِ غنیمت پیش کیا۔ آپؐ بہت

خوش ہوئے۔ حضرت ابوسلمہؓ اور ان کے ساتھیوں کو دعا دی۔ تاریخ کی کتابوں میں یہ لڑائی سریہ ابوسلمہ یا سریہ قطن کے نام سے مشہور ہے۔ اس مہم سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد ابوسلمہ کا وہ زخم پھر سے ہرا ہو گیا۔ جو غزوہ احد میں زہر میں بجھے تیر کے لگنے سے آیا تھا۔ بہت علاج کیا گیا۔ لیکن زخم بگڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بچنے کی امید نہ رہی۔ اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ جُمادی الآخر 4ھ کے شروع میں ان پر نزع کی حالت طاری ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی۔ آپؐ فوراً ان کے گھر تشریف لائے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھیں بند کیں اور فرمایا۔

''انسان کی روح جس وقت بدن سے جدا ہوتی ہے تو آنکھیں اس کو دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں۔''

اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا غم کی وجہ سے نڈھال تھیں، بار بار کہہ رہی تھیں:

''ہائے! غربت میں یہ کیسی موت آئی...''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صبر کی تلقین کی اور یہ ہدایت فرمائی۔

''ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور کہو، اے اللہ مجھے ان سے بہتر ان کا بدل دے۔''

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی مغفرت کی دعا کی اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، ان کے ہاں چار بچے تھے، دو لڑکے، دو لڑکیاں، ان چاروں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں پرورش پائی۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے افراد پر بہت مہربان تھے۔ وفات کے وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

''الٰہی! میرے کنبے کی اچھی طرح نگہداشت کیجیے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ حضرت ام سلمہؓ چند ماہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں اور اس طرح ام المومنین بنیں۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا تھا:

آؤ ہم دونوں عہد کریں کہ ہم میں جو پہلے فوت ہو، دوسرا اس کے بعد شادی نہ کرے۔''

ان کی یہ بات سن کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

''کیا تم میرا کہا مانو گی؟''

جواب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

''ہاں! کیوں نہیں؟''

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر میں پہلے مر جاؤں تو تم میرے بعد ضرور نکاح کر لینا۔''

یہ کہنے کے بعد انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا:

''اے اللہ! اگر میں اُمِ سلمہ کی زندگی میں مر جاؤں تو آپ اِنھیں مجھ سے بہتر بدل عطا

فرمایئے گا۔“

ان کی یہ دعا قبول ہوئی، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن ابوسلمہ گھر آئے تو بہت خوش تھے، کہنے لگے کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو مسلمان مصیبت کے وقت (سچے دل سے) اللہ کے در پر جھکتا ہے اور یہ دعا مانگتا ہے کہ الٰہی اس مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما تو اللہ اس کی دعا قبول کرتے ہیں۔

فرماتی ہیں کہ ابوسلمہ کی یہ بات میرے دل میں سماگئی، جب انھوں نے وفات پائی تو میں نے بھی یہی دعا مانگی، لیکن پھر میرے دل میں خیال پیدا ہوا بھلا ابوسلمہ سے بہتر بدل کون ہوسکتا ہے؟ وقت گزرنے کے بعد جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا تو مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ابوسلمہ سے بہتر بدل دے رہے ہیں۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ لمبی زندگی نہیں پائی، لیکن اللہ کے راستہ میں انھوں نے جو تکالیف اٹھائیں، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہے، شجاعت کے جو جوہر دکھائے، ان سب کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

روم کا پہلا پھل

وہ عراق کے ایک گاؤں میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے تھے۔ایک دن رومیوں نے ان کے گاؤں پر حملہ کر دیا، اس ہنگامے میں وہ رومیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ رومیوں نے انھیں اپنا غلام بنالیا۔لڑکپن سے جوانی تک غلام رہے۔

ایک مرتبہ بنو کلب کے کچھ تاجر اس علاقے میں آئے۔ ان تاجروں نے انھیں رومیوں سے خرید لیا اور اپنے ساتھ مکہ لے آئے۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے انھیں بنو کلب کے لوگوں سے خرید لیا۔ وہ ایک ہنرمند آدمی تھے۔ جب مکہ میں آئے تو پاس کچھ نہیں تھا۔ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن جدعان نے انھیں آزاد کر دیا تھا۔اپنے ہُنر کی وجہ سے وہ جلد ہی مالدار ہو گئے۔انھی دنوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کا پیغام دیا۔انھوں نے اس دعوت کے بارے میں سنا تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ وہاں قیام پذیر تھے۔انھوں نے خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ شہادت پڑھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان لانے پر بہت خوشی ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''صہیب روم کا پہلا پھل ہیں۔''

یہ صحابی حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ تھے۔ جس روز یہ ایمان لائے، اسی روز حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی ایمان لائے۔ اس وقت تک صرف تیس آدمی اسلام کے حلقے میں داخل ہوئے تھے، گویا یہ ابتدائی ایمان لانے والوں میں شامل ہیں۔

بے یارومددگار تھے، آئے بھی روم سے تھے، پہلے زندگی بھی غلامی کی بسر کی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود ایمان لانے کے بعد انھوں نے مشرکین سے اپنا اسلام چھپا کر نہ رکھا جس دن ایمان لائے، اسی دن مشرکین کے سامنے اعلان کر دیا:

''لوگو! سن لو: میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آیا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔''

بس پھر کیا تھا۔ مکہ کے مشرکین نے اُنہیں گھیر لیا۔ ان پر ٹوٹ پڑے۔ بری طرح مارا۔ پھر تو یہ ان کا روز کا معمول بن گیا۔ کبھی گرم ریت پر لٹاتے، کبھی پانی میں غوطے دیتے، کبھی مار مار کر لہولہان کر دیتے، آپؓ نے نہایت صبر سے ان کا ہر ظلم برداشت کیا، ظلم وستم ہوتے جب ایک مدت گزر گئی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ اکثر صحابہ کرامؓ ہجرتِ نبوی سے کچھ پہلے ہی مدینہ منورہ چلے گئے، لیکن حضرت صہیب مکہ مکرمہ میں ہی رہے، دراصل ان کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کریں

گے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما گئے ہیں تو مکہ میں ان کے لیے ایک دن کاٹنا مشکل ہو گیا۔ مدینہ جانے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ چلنے کے لیے تیار ہوئے تو مشرکین کو پتا چل گیا، انھوں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور بولے۔

''ہم تمھیں نہیں جانے دیں گے۔''

انھوں نے بھی ہاتھوں میں تیر اور کمان سنبھال لیے اور للکارے:

''اے اہلِ مکّہ! تم اچھی طرح جانتے ہو، میرا نشانہ خطا نہیں جاتا، اللہ کی قسم! تم میرے نزدیک نہیں آ سکتے جب تک کہ میرے تمام تیر ختم نہ ہو جائیں، اگر پھر بھی تم میں سے کوئی بچ گیا تو میں تلوار نکال لوں گا، اور جب تک میری جان میں جان ہے، تم سے لڑوں گا۔ اگر سلامتی چاہتے ہو تو میرا پیچھا چھوڑ دو اور اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔''

اس پر مشرکین نے کہا۔

''صہیب! جب تم مکہ آئے تھے تو مفلس اور قلاش تھے، لیکن اب تم یہاں سے اس قدر مال دولت لیے جا رہے ہو، یہ دولت ہماری ہے، یہ ہمارے حوالے کر دو اور جہاں جی چاہے، چلے جاؤ۔''

یہ سن کر حضرت صہیبؓ نے تمام مال و زر ان کے آگے پھینک دیا اور خالی ہاتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، اس طرح یہ مکہ سے روانہ ہو کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبا پہنچے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ کھجوریں

کھا رہے تھے۔

حضرت صہیبؓ رومی کی ایک آنکھ پر پٹی بندھی تھی۔ ان کی آنکھ دکھنے آئی ہوئی تھی۔ آتے ہی انھوں نے سب کو سلام کیا اور بغیر کچھ کہے سنے کھجوریں کھانے میں مشغول ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ انھوں نے حیران ہو کر کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ دیکھ رہے ہیں، ان کی ایک آنکھ دکھ رہی ہے اور پھر بھی کھجوریں کھائے چلے جا رہے ہیں۔''

آنکھوں کی تکلیف میں کھجور کھانا نقصان دہ ہے، اس لیے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''صہیب! تمہاری آنکھ دکھنے آئی ہے اور کھجوریں کھا رہے ہو؟''

اس پر انھوں نے کہا:

''یا رسول اللہ! میں اس آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں جو اچھی ہے۔''

ان کا جواب سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک نظر آنے لگے۔ کھجوروں سے فارغ ہو کر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف مڑے اور بولے:

''آپ خود تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ گئے اور مجھے ساتھ نہ لیا۔''

یہ کہہ کر انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ نے بھی اس عاجز کا خیال نہ

فرمایا، میں مکہ میں اکیلا رہ گیا، قریش مجھ پر چڑھ دوڑے، میں نے اپنا تمام مال واسباب انھیں دے کر بڑی مشکل سے اپنی جان چھڑائی۔‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا:

’’ابو یحیٰی! تم نے بہت نفع بخش تجارت کی، ابو یحیٰی! تم نے بہت نفع بخش تجارت کی۔‘‘

ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یعنی ’’لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی جانیں اللہ کی رضا کے لیے بیچ دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔‘‘

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھتے ہی یہ فرمایا تھا:

’’صہیب نے تجارت میں بہت نفع کمایا، صہیب نے تجارت میں بہت نفع کمایا۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی تھی۔

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرایا تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو اپنے صحابی حضرت ابوسعید حارث بن صمر نجاری رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت صہیبؓ غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ تبوک تک تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔ انھیں تلوار بازی اور تیر اندازی میں زبردست مہارت تھی۔ ہر لڑائی میں انھوں نے اپنی مہارت دکھائی اور دشمنوں کو تگنی کا ناچ نچایا۔ اگر کسی ایسے دشمن سے سامنا ہو جاتا جو سر سے پیر تک

زرہ پوش ہوتا تو یہ تاک کر اس کی آنکھ میں تیر مارتے اور وہ الٹ کر پیچھے جا گرتا۔ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''صہیب اچھے بندے ہیں، اگر وہ اللہ کا خوف نہ کرتے، تب بھی گناہ نہ کرتے۔''

ایک مرتبہ حضرت صہیب، حضرت سلمان فارسی اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہم کسی جگہ اکٹھے بیٹھے تھے۔حضرت ابوسفیانؓ ادھر سے گزرے، یہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔تینوں نے انھیں دیکھ کر کہا:

''اللہ کی تلوار نے ابھی تک اس دشمن خدا کا سر قلم نہیں کیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی کہیں نزدیک ہی تھے،انھوں نے یہ سن کر فرمایا:

''یہ شخص قریش کا سردار ہے،اس کے لیے ایسے الفاظ منہ سے نہ نکالو۔''

اس کے بعد انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ سنایا۔واقعہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابا بکر! تمہارے ٹوکنے پر شاید یہ تینوں بُرا مان گئے ہوں، انھیں ناراض کرنا گویا اللہ کو ناراض کرنا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر لرز گئے۔اسی وقت ان تینوں بزرگوں کے پاس لوٹ آئے اور کہا:

''پیارے بھائیو! میری بات سے تم ناراض تو نہیں ہو گئے؟''

اس پر انھوں نے کہا:

''نہیں اے ابوبکر! ہمارے دل میں تمہارے خلاف کوئی میل نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔''

حضرت صہیب رومی کا کوئی بیٹا نہیں تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ محبت سے انہیں ابو یحییٰ فرماتے تھے، اس لیے ان کی یہ کنیت مشہور ہوگئی۔ ان کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا ہے۔ بہت مہربان، سخی اور ظریف مزاج تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا:

''اے صہیب! میں تمہیں بہت اچھا سمجھتا ہوں لیکن تمہاری تین باتیں مجھے پسند نہیں، ایک تو یہ کہ عجمی انداز میں بات کرتے ہو، حالانکہ عربی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، دوسری یہ کہ تم اپنا مال بہت بے دردی سے خرچ کرتے ہو، تیسری یہ کہ تم نے اپنی کنیت ایک پیغمبر کے نام پر رکھی ہے، حالانکہ تمہاری کوئی اولاد نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کے جواب میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں واقعی عربی ہوں، مجھے بچپن میں رومی پکڑ کر لے گئے تھے، انھی کے درمیان میں پلا، بڑھا، اس لیے میری زبان میں عجمی رنگ ہے، اس میں میرا کوئی قصور نہیں، رہا یہ سوال کہ میں اپنے مال کو بہت بے دردی سے خرچ کرتا ہوں، تو اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ فضول خرچی نہیں کرتا بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے، جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔ اب رہی کنیت، تو یہ میں نے خود اختیار نہیں کی، بلکہ اللہ

زرہ پوش ہوتا تو یہ تاک کر اس کی آنکھ میں تیر مارتے اور وہ الٹ کر پیچھے جا گرتا۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''صہیب اچھے بندے ہیں، اگر وہ اللہ کا خوف نہ کرتے، تب بھی گناہ نہ کرتے۔''

ایک مرتبہ حضرت صہیب، حضرت سلمان فارسی اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہم کسی جگہ اکٹھے بیٹھے تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ ادھر سے گزرے، یہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ تینوں نے انھیں دیکھ کر کہا:

''اللہ کی تلوار نے ابھی تک اس دشمن خدا کا سر قلم نہیں کیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی کہیں نزدیک ہی تھے، انھوں نے یہ سن کر فرمایا:

''یہ شخص قریش کا سردار ہے، اس کے لیے ایسے الفاظ منہ سے نہ نکالو۔''

اس کے بعد انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ سنایا۔ واقعہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابا بکر! تمہارے ٹوکنے پر شاید یہ تینوں بُرا مان گئے ہوں، انھیں ناراض کرنا گویا اللہ کو ناراض کرنا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر لرز گئے۔ اسی وقت ان تینوں بزرگوں کے پاس لوٹ آئے اور کہا:

''پیارے بھائیو! میری بات سے تم ناراض تو نہیں ہو گئے؟''

اس پر انھوں نے کہا:

''نہیں اے ابا بکر! ہمارے دل میں تمہارے خلاف کوئی میل نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رومی کا کوئی بیٹا یحییٰ نام کا نہیں تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ محبت سے انھیں ابو یحییٰ فرماتے تھے، اس لیے ان کی یہ کنیت مشہور ہوگئی۔ ان کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا ہے۔ بہت صبر کرنے والے اور شگفتہ مزاج تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''اے صہیب! میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں، لیکن تمہاری تین باتیں مجھے پسند نہیں، ایک تو یہ کہ عجمی انداز میں بات کرتے ہو، حالانکہ عربی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، دوسری یہ کہ تم اپنا مال بہت بے دردی سے خرچ کرتے ہو، تیسری یہ کہ تم نے اپنی کنیت ایک پیغمبر کے نام پر رکھی ہے، حالانکہ یحییٰ نام کی تمہاری کوئی اولاد نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کے جواب میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں واقعی عربی ہوں، بچپن میں رومی پکڑ کر لے گئے تھے، انھی کے درمیان میں پلا، بڑھا، اس لیے میری زبان میں عجمی رنگ ہے، اس میں میرا کوئی قصور نہیں، رہا یہ سوال کہ میں اپنے مال کو بہت بے دردی سے خرچ کرتا ہوں، تو اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ فضول خرچی نہیں کرتا بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے، جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔ اب رہی کنیت، تو یہ میں نے خود اختیار نہیں کی، بلکہ اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی۔''

ان کے جواب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطمئن ہوگئے۔ جب حضرت عمر کو خنجر مارا گیا اور انھیں اپنی وفات کا یقین ہوگیا تو انھوں نے فرمایا:

''جب تک نئے خلیفہ کا انتخاب نہ ہوجائے، صہیب مسلمانوں کو نماز پڑھاتے رہیں گے اور وہی میری نماز جنازہ پڑھائیں گے۔''

چنانچہ انھوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی، پھر تین دن تک نہایت خوش اسلوبی سے مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔ حضرت صہیبؓ نے ماہ شوال 38 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے، عمر اس وقت 72 سال کے قریب تھی۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

﴿رضی اللہ عنهم ورضوا عنه﴾

ایم آئی ایس پبلشرز

ایم آئی ایس (Multimedia Innovative Society) پیارے پیارے بچوں کے لیے سبق آموز اور دلچسپ کہانیوں، کھلکھلاتے لطیفوں، تاریخی فیچرز، سائنسی فکشن اور ایک نئے انداز میں کارٹون انی میشن کے علاوہ تلاوتِ قرآنِ کریم، خوب صورت حمد و نعت اور نظموں پر مشتمل آڈیو کیسٹس اور ویڈیو سی ڈیز تیار کرنے والا ایک منفرد ادارہ ہے۔ نیز اس ادارہ کے تحت تاریخی و اسلامی واقعات، مشہور رائٹرز کے جاسوسی ناولز اور دیگر اچھے اچھے موضوعات پر مشتمل کتابیں بھی شائع کی جاتی ہیں۔

ایم آئی ایس کا مقصد پھول جیسے بچوں کو غیر اخلاقی لٹریچر سے بچاتے ہوئے صحت مند تفریح و تربیت فراہم کرنا ہے تاکہ وہ ایک مہذب معاشرہ تشکیل دے سکیں۔

ایم آئی ایس اپنی مصنوعات کی تیاری، معیار اور انہیں مفید تر بنانے کے لیے ایک خطیر سرمایہ خرچ کر رہا ہے، جبکہ بطور **Trust** کام کرتے ہوئے منافع انتہائی کم حاصل کر رہا ہے۔

امید ہے کہ ایم آئی ایس کے اس نیک مشن میں ہمارے معاون بنیں گے۔

WWW.MIS4KIDS.COM

(مکمل تعارف و مصنوعات کی فہرست ویب سائٹ پر موجود ہے)